س می 612

824

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبرَۃً لِاُولِی الاَبصَارِ

(تحقیق اس میں ارباب بصیرت کے لئے عبرت ہے !)

# خانقاھی نظام

محکمہ اوقاف کی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ

از

مولانا نور احمد خان فریدی

100/-

: ناشر :

قصر الادب ○ رائٹرز کالونی ○ ملتان

Marfat.com

53570

Marfat.com

# اِنتساب

عزت مآب نواب مخدوم محمد سجاد حسین صاحب قریشی
کے نام
جو صوبہ پنجاب کے گورنر ہونے کے ساتھ ساتھ
سُہروردی مشائخ کی خانقاہوں کے سجادہ نشین بھی ہیں

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

المرقوم
یکم فروری سنہ ۱۹۸۷ء

خاکسار
نُور احمد خان فریدی

Marfat.com

# فہرس


| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۱ | سُخنہائے گفتنی | ۳ |
| ۲ | عقابوں کے نشیمن | ۸ |
| ۳ | صوفیہ کا علمی مرتبہ | ۱۷ |
| ۴ | صوفیہ کا جہادِ اکبر | ۱۹ |
| ۵ | داناؤں کی نادانیاں | ۲۳ |
| ۶ | سیّد جمال الدین موسیٰ گیلانیؒ کا مقام | ۲۸ |
| ۷ | عہدِ فاروقیؓ کے دو گورنر | ۴۶ |
| ۸ | امین الامت ابو عبیدہ بن الجراحؓ | ۴۹ |
| ۹ | اسلامی تمدن پر عجمی اثرات | ۵۰ |
| ۱۰ | تصوّف کا دوسرا دور | ۵۳ |
| ۱۱ | صوفیہ کے تاریخی کارنامے | ۵۴ |
| ۱۲ | بحر المعانی پر حملہ | ۷۲ |
| ۱۳ | خانقاہی نظام پر ایک نظر | ۷۴ |
| | مترجمین کی تحریفات | ۷۶ |
| ۱۴ | سوادِ اعظم کے خلاف اقلیتی فرقوں کا محاذ | ۸۴ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۱۶ | صوفیہ اور ان کے خانوادے | ۹۷ |
| ۱۷ | سجّادہ نشین حضرات اور ان کے معمولات | ۱۰۲ |
| ۱۸ | صوفیانہ تعلیمات | ۱۰۷ |
| ۱۹ | جامعہ اسلامیہ پاکستان | ۱۱۰ |
| ۲۰ | تصوّف کا سلیبس | [illegible] |
| ۲۱ | روحانی عوارض اور ان کا علاج | [illegible] |
| ۲۲ | شیخ کی تربیّت | [illegible] |
| ۲۳ | ذکر کے آداب | [illegible] |
| ۲۴ | اربعین لیلہ | [illegible] |
| ۲۵ | کیفیتِ ذکر | [illegible] |
| ۲۶ | منکرین کا استدلال | ۱۲۸ |
| ۲۷ | زاہد اور صوفی | ۱۳۱ |
| ۲۸ | صوفی عالی مقام | ۱۳۵ |
| ۲۹ | سرّ الملوک | ۱۳۹ |
| ۳۰ | مشائخِ سہروردی کی تدوین | ۱۵۱ |


Marfat.com

ت-ص
612
III

824

# مصلحتِ خُداوندی

اِسی میں ہے کہ اسرار و رموز کے علوم

اُن افرادِ صالحہ پر

منکشف ہوں

جو

ان کی اہلیّت رکھتے ہیں

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حضرت العلّامہ مظہر الدّین کا مکتوب گرامی

برادرِ گرامی منزلت ! سلام مسنون ۔

خانقاہی نظام کی درستگی اور تصوّف کا احیاء دو مختلف چیزیں ہیں۔ اوقاف خانقاہی نظام کو درست کر سکتا ہے۔ لیکن فقر "حال" ہے۔ اُسے ایسے محکموں یا ظاہری علماء سے کیا تعلق؟

جو سوالات آپ نے کیئے ہیں۔ کشف المحجوب پڑھنے سے ان کے تفصیلی جوابات مِل سکتے ہیں۔ سجّادگی کو آپ جمہوری صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ الیکشن سے حاصل نہیں ہوتی۔ جب سے مُریدوں نے سجّادے بنانے شروع کیئے ہیں۔ اُس وقت سے فقر پر تباہی آئی ہے۔ "سجّادہ" شیخ طریقت کے انتخاب کا نام ہے۔ نیم حکیموں کے مشورے اس راہ میں کام نہیں دیتے۔ یہ سارا دِل کا کھیل ہے۔ اہلِ دِل ہی کے مشورے اِس راہ میں کام دے سکتے ہیں فقر تصوّف کے اصول و مبادیات جان لینے کا نام نہیں یہ علم ہے اور فقر حال ۔ فقر اِس عہد میں بہت مظلوم ہے۔ بلکہ مِٹتا جا رہا ہے۔ کسی شیخ کامل کے اجازت یافتہ لوگ شاذ ہی ہوں گے۔ جو ہیں اُن میں عِلم نہیں۔ اِس لیئے وہ کسی روح کو بدلنا تو بجائے خود رہا۔ ذہن کو بھی نہیں بدل سکتے۔ ذہن کے بدل جانے میں بھی فقر کا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ یہاں دل کے بدلنے کی ضرورت ہے۔ کبھی ملاقات ہوئی تو اپنا زخمی احساس پیش کروں گا۔

والسّلام

مظہر الدّین

۱۲ ر نومبر ۱۹۶۶ء

# کمشنر بہاول پور کے ارشادات

جنوری ۱۹۶۵ء کے وسط میں بہاول پور ڈویژن کے علم دوست اور ادب نواز کمشنر جناب یزدانی ملک صاحب کا کرم نامہ موصول ہوا۔ کہ مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ اگر کبھی اپنے ادبی مشاغل کے سلسلے میں اس طرف آنے کا پروگرام بنائیں۔ تو مجھے ضرور ملیں۔ خاکسار نے ان دنوں صادق آباد کی طرف جانا تھا۔ چنانچہ اس سفر کے دوران ۱۰ فروری کو بہاول پور اتر کر چار بجے شام یزدانی صاحب کے ہاں حاضر ہوا۔ وہ پہلی ملاقات میں ہی اتنے بے تکلف ہو گئے گویا وہ میرے کافی عرصہ سے شناسا تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ "میں جمال دین والی گیا ہوا تھا۔ وہاں حضرت مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ صاحب کے دیوان خانے میں آپ کی چند تصانیف دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جن سے میں خاصا متاثر ہوا۔ اگرچہ وقت بہت تھوڑا تھا۔ پھر بھی میں نے ان کے جستہ جستہ مقامات پڑھ ڈالے۔ آپ نے خاصی محنت کی ہے۔ اور خوب لکھا ہے"۔

پھر فرمایا۔ آپ نے تو اپنی تصانیف میں صوفیائے کرام کی تعلیمات اور ان کے طریق کار پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن ہمارے اہل قلم حضرات بالعموم جب بھی اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو وہ اس پہلو کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اور صوفیاء کی سیرتیں محض کشف و کرامات اور عوام کی ارادت و عقیدت تک محدود رہ جاتی ہیں۔ حضرات صوفیاء نے تبلیغ اسلام کا کام بڑے پیمانے پر کیا ہے اور جہاں تک میرا علم ہے یہ کوئی اتفاقی چیز نہیں تھی۔ انہیں اس مقصد کے لیئے تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ان کی روحانیت

Marfat.com

اتنی بلند ہو جاتی تھی۔ کہ کافروں کو مسلمان اور فاسقوں کو ولی بنانا ان کے لیئے بیحد آسان ہو جاتا تھا۔ کسی مؤرخ اور سیرت نگار نے آج تک اُن کے سلیبس پر بحث نہیں کی۔ آخر وہ کیا اسلوب اور طریق کار تھا۔ جس پر عمل پیرا ہو کر ان قدسی نفوس اہل اللہ نے ملک کے ملک مسلمان کر ڈالے تھے۔ وہ کیا بات تھی جس کی بنا پر وہ بڑے بڑے مندروں کے دروازے پر دھرنا مار کر بیٹھ جاتے تھے اور لاکھوں ہندوؤں، بدھیوں جینیوں اور اچھوتوں کو مسلمان بنا لیتے تھے۔ اور ہم میں کس چیز کی کمی ہے۔ کہ اکثریّت میں ہوتے ہوئے بھی کسی ہندو، عیسائی یا بدھ پر اسلام پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

اُنہوں نے فرمایا۔ پیری مُریدی دَورِ حاضر میں کافی بدنام ہو چکی ہے۔ رُشد و ہدایت کا یہ سلسلہ اَب محض جلبِ منفعت کا ذریعہ بَن کر رہ گیا ہے۔ مُرید کو کشف و کرامات کے چند افسانے سُنا کر مسحور کر لیا جاتا ہے۔ اس کی روحانی تربیّت نہیں کی جاتی۔ اسلام نے ہمیں دوسروں پر مافی الضمیر ظاہر کرنے کی جو قوّت عطا کی تھی۔ وہ سلب ہو چکی ہے۔ آج کا رئیس، عالم اور صوفی یہ گوارا نہیں کرتا۔ کہ اس کا کوئی ارادتمند اس کے سامنے زبان تک ہلا سکے۔ مُرید و مراد سب بے عملی کی دنیا میں چوگان کھیل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثریّت میں ہوتے ہوئے مسلمان ہر جگہ پِٹ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ صوفیائے کے مشن کو صحیح رنگ میں پیش کریں۔ ممکن ہے آپ کی "سعی" "سعی مشکور" ثابت ہو۔ اور عہدِ حاضر کا وہ بڑا طبقہ جو تصوّف سے منسوب ہے اصلاحِ احوال کا کوئی مفید کارنامہ انجام دے سکے۔

یزدانی ملک صاحب کے ساتھ اس موضوع پر کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ اور میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ اس عنوان پر سیر حاصل بحث

Marfat.com

کروں گا۔ اگرچہ یہ کام خاصہ مشکل تھا۔ لیکن رحمتِ الٰہی نے یاوری کی اور چند دنوں میں ہی اس صحیفۂ صدق کی تسوید سے فارغ ہو گیا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس فریضہ کی بجاآوری میں کتنا کامیاب ہو سکا ہوں۔ بہرحال میں نے خاکہ پیش کر دیا ہے۔ اس میں رنگ بھرنا صلحائے اُمّت کا کام ہے۔ اس برّ صغیر میں مجھ سے ہزاروں زیادہ قابل اور فاضل موجود ہیں۔ اگر انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہا۔ تو انہیں ماخذات کے حصول میں کوئی دقّت نہیں ہو گی اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ؎

نقّاش نقش ثانی بہتر کشد زِ اوّل

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

المرقوم
یکم فروری ۱۹۸۷ء

خاکسار
نور احمد خان فریدی

## سسّی پُنّوں

عرب میں لیلیٰ مجنوں کا معاشقہ مشہور ہے۔ ایران میں منیژہ اور بیژن کی داستان کو فردوسی نے نہایت دردناک اسلوب میں لکھا ہے اور کلام میں بلا کا زور ہے۔ منیژہ کہتی ہے ؎

منیژہ منم دُختِ افراسیاب ۔ برہنہ ندیدہ تنم آفتاب
برائے یکے بیژنِ شوریدہ بخت ۔ فتادم زتاج و فتادم زِ تخت

سندھ، بلوچستان اور وادی پنج ند میں سسّی پُنّوں کا قصہ بڑا مقبول ہوا ہے۔

Marfat.com

# تقریظ

## از حضرت العلّامہ سیّد محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی

"خانقاہی نظام" کا مسوّدہ لفظاً لفظاً پڑھا۔ ابتدائی عنوان "سُخنہائے گفتنی" میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یزدانی ملک صاحب (سابق کمشنر بہاول پور ڈویژن) کے ایک بڑے اہم سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال کا جواب آپ نے اپنے نقطۂ نظر سے کافی حد تک صحیح دیا ہے۔ لیکن اس مسوّدے میں متعدد ایسے مباحث آگئے ہیں جو اگرچہ بجائے خود بہت دلچسپ ہیں لیکن اصل سوال اور اس کے جواب سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ ان کو علیحدہ صورت میں شائع کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اگر اصل سوال مجھ سے ہوتا تو میرا جواب کچھ مختلف ہوتا اور خاصا طویل ہوتا۔ یہاں صرف چند اشارات پر اکتفا کروں گا۔ آپ جیسے صاحبانِ عقل و علم کے لئے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

ا۔ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام سُنّتوں میں علماء و فقہائے مجتہدین کا اختلاف ہے۔ لیکن ایک سُنّت متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے اور وہ ہے حضور کی معاشی زندگی جن صوفیہ نے اس سنّت کو اپنایا ہے وہی کامیاب ہوئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے زکوٰۃ ادا کی۔ نہ مال جمع کیا۔ نہ جائیداد بنائی نہ بینک بیلنس چھوڑا (مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ) لہٰذا ان تمام سجّادہ نشینوں سے روحانی

اصلاح کی توقع غلط ہے۔ جو بڑے بڑے اوقاف کی شکل میں یا اور کسی صورت میں سرمایہ دار بنے بیٹھے ہیں۔ اس قسم کی خانقاہ داری وہی شے ہے جسے مرحوم اقبالؒ نے بزبانِ ابلیس یوں کہا ہے کہ زوالِ اُمت کے لیئے سب سے بڑا کامیاب طریق کار یہ ہے کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے

۲:۔ معاشی ہمواری بھی کوئی مرکزی چیز نہیں، بلکہ یہ ایک اصل الاصول۔ مساوات انسانی کا اہم ترین اور لازمی جزو ہے۔ موجودہ خانقاہوں میں انسانی مساوات نام کو نہیں۔ بس ایک رَبّ ہوتا ہے اور باقی اس کے پُجاری اور یہ رب ہر ادوار میں دوسروں سے ممتاز اور بلند ہوتا ہے۔ اگر وہ قانونی تعلیمی، معاشی اور دوسرے حقوق کی مساوات برتے۔ تو اس کی نشینانہ ربوبیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیئے وہ کبھی اپنے آپ کو عام سطح پر نہیں لا سکتا۔ اور نہ دوسروں کو اپنی سطح پر کھینچ کر لانا پسند کرے گا۔

۳:۔ ہر سجادہ نشین نام لیوا ہوتا ہے درویشی کا۔ لیکن پرستار ہوتا ہے ملوکیت کا۔ اس لیئے ہر خانقاہ میں نسلی جانشینی کو تصوف کا لازمی جزو سمجھ لیا گیا ہے۔ باپ مرا اور بیٹا جانشین ہو گیا۔ سلسلہ حضرت علیؓ کا اور سنت معاویہؓ کی۔

۴:۔ تصوف دراصل مولویانہ ظاہر پرستی اور جمود کے خلاف ایک بغاوت تھی لیکن اب سب سے زیادہ رسم پرست اور جامد طبقہ انہی گدی نشینوں کا ہے جو ایک ایک توہماتی رسم پر جان دیتا ہے۔

۵:۔ ملفوظات و مکتوبات و مکشوفات کے درس اکثر خانقاہوں میں ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن کا درس نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ قرآن فہمی کے طفیل عقل ہم

Marfat.com

جاتی ہے اور توہم پرستی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ذہنی غلامی سے نجات مل جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے۔ اس صورت میں کسی خانقاہ دار کی ربوبیت باقی نہیں رہ سکتی۔ قرآن پاک کے متعلق شاید سمجھ لیا گیا ہے کہ اس میں درویشی کی باتیں نہیں ہیں۔

۶:۔ بزرگوں کی کرامات کو ہماری خانقاہوں میں بڑا مقام دیا جاتا ہے۔ خوابوں، کرامتوں اور بے سروپا روایات سے ہمارے ملفوظات بھرے پڑے ہیں اور انہیں تنقید سے بالاتر فرض کر لیا گیا ہے۔

۷:۔ جن خانقاہوں میں تزکیۂ نفس کے نام سے کچھ ریاضت کرائی بھی جاتی ہے وہاں ذاکر و شاغل، طالب اور کسی کام کا نہیں رہتا اور عموماً اس کی دوسری صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ دُنیا کو صرف سجّادہ نشین یا امام و مفتی کی ضرورت نہیں۔ انجینئر۔ پائلٹ، کمانڈر۔ جہازراں، مصنف فلسفی، شاعر، سائنٹسٹ۔ اکاؤنٹنٹ۔ قانون دان۔ سیاس، تاجر۔ صنعت کار وغیرہ بھی درکار ہیں اور یہ سب خُدّام دین ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام صلاحیتیں ذکر و فکر میں ختم ہو کر ذہنی زوال کا یہ عالم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے اسی زوال کو روحانی ترقی سمجھنے لگتا ہے۔

۸:۔ ان ذاکرین و شاغلین میں انفرادیت پسندی اتنی آجاتی ہے کہ اپنی ذاتی نجات کے سوا اور کوئی فکر نہیں ہوتی۔ حالانکہ تزکیہ ہوتا ہی اس لیئے ہے۔ کہ معاشرے میں انقلاب لائے۔ نبویؐ یا صحابہؓ کی زندگی ساری عمر کی خلوت نشینی نہیں۔ بلکہ جلوت کی بھرپور انقلابی زندگی ہے۔ خلوتی تزکیہ اسلامی زندگی کا صرف ایک ضروری حصّہ ہے۔ کُلی زندگی نہیں۔

۹:۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے۔ کہ تصوّف اسلام کی اصلی اساس اور توحید ناب ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہماری خانقاہوں میں یہ اب صرف ایک ذہنی فلسفہ رہ گیا ہے۔ مشرکین عرب پر بھی ایسا وقت آتا تھا جب وہ خالص خُدا کو اپنی مصیبتوں

Marfat.com

یں پکارتے تھے۔ ھُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ ج وَجَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ وَّ فَرِحُوْا بِھَا جَآءَتْھَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَ ھُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْآ اَنَّھُمْ اُحِیْطَ بِھِمْ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ ھٰذِہٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ (یونس آیہ ۲۲)

قُلْ اَرَءَ یْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ ج اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ o بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ ...... (انعام آیۃ ۴۰، ۴۱)

فاذا رکبو فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین .... (عنکبوت آیۃ ۶۵)

اس کے بعد ہمارا اپنا حال بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ہم ایسے کٹھن وقت میں بھی اللہ کے سوا خدا جانے کن کن بزرگوں کو مدد کے لیئے پکارتے ہیں، بلکہ یہ ہمارے وظائف و اوراد میں بھی داخل ہے۔ گویا مختلف ڈیپارٹمنٹ مختلف بزرگوں کے سپرد ہیں۔ جن کی نذر و نیاز و فاتحہ وغیرہ کرنے سے مختلف مرادیں پوری ہو جاتی ہیں کوئی مقدمہ جتواتا ہے۔ کوئی کاروبار میں ترقی دیتا ہے۔ کوئی اولاد دیتا ہے اور کوئی عشق بازی میں کامیاب کراتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کجا صوفیہ کی توحیدِ ناب اور کجا یہ توہمات۔ شتان بینہما۔

۱۰:- ساری خانقاہیں صحیح سُنیّت کی حامل نہیں رہی ہیں۔ کیا کسی خانقاہ میں خلفائے راشدین یا عشرہ مبشرہ یا کسی صحابی یا ازواج مطہرات کا بھی عرس و فاتحہ آپ نے سنا ہے۔ (بجز حضرت علیؓ کے)؟ لطف یہ ہے۔ کہ حنبلی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنفی خواجہ معین الدین چشتیؒ اور شافعی سید احمد کبیر رفاعیؒ کا عرس و فاتحہ بڑے اہتمام سے کرتے ہیں۔ لیکن جن ائمہ مجتہدین کے یہ مقلد تھے۔ انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ خلفائے ثلثہ تو بے چارے صرف "رضی اللہ عنہ" رہے۔ خانقاہوں میں شہدائے کربلا (رضوان اللہ علیہم) کی فاتحہ خوانی

Marfat.com

بڑے اہتمام سے ہوتی ہے ۔ ہونی چاہیئے ۔ مگر بدر و احد کے شہداء کے لیئے کوئی ہاتھ نہیں اُٹھاتا ۔ کربلا کی ریگزار ہر مسلمان کے لیئے لائق صد احترام ہے بقول مولانا ظفر علی خاں ؎

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول ، تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ رسولؐ

لیکن شہدائے کربلا کے ساتھ ہمیں شہدائے بدر و احد کی یاد بھی منانی چاہیئے جنہوں نے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس پر پروانہ وار اپنی جانیں قربان کیں ۔ قرآن پاک کی اس آیہ کریمہ پر غور فرمایئے ۔ لا یستوی من انفق من قبل الفتح وقاتل أولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلو وعد اللہ الحسنیٰ (حدید آیۃ ۱)

مختصر یہ ہے کہ یہ طبقہ دق کے اس تیسرے درجے پر آچکا ہے جس کا سنبھلنا بہ ظاہر ناممکن ہے ۔ لیکن مایوسی کفر ہے ۔ ہمیں بہر حال اصلاح کی فکر و تدبیر کرنی چاہیئے ۔ اصل علاج پوری اور لانگ ہے ۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں سیکشن قائم کرنا اس کا علاج نہیں ۔ یہ تنخواہ داروں کے بس کا روگ نہیں ۔ یہ وہ کر سکتا ہے جو اس کام کے لیے اپنا سب کچھ لُٹا دے ۔ اس کا پروگرام طویل ہے ۔ لیکن مدارس دینیہ کے مہتمم صاحبان اگر ہمت سے کام لیں تو تائید ایزدی یقیناً ان کے شامل حال ہو گی اور ان کا ادارہ دوسروں کے لیئے مشعل راہ کا کام دے سکے گا ۔ وَمَا توفیقی اِلّا باللہ العلیّ العظیم ۔

محمد جعفر پھلواروی
یکم دسمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سرِّ دلبراں

ڈاکٹر احمد ربانی اور ان کے والد ماجد پروفیسر محمد شفیع مرحوم بڑے فاضل انسان تھے اور اپنے بیکراں بحرِ علم سے ایسے ایسے موتی نکال لاتے تھے، کہ محققین اور دانشمند حضرات حیران رہ جاتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے کشف المحجوب کا ایک نسخہ علم دوست حضرات کے سامنے پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام کا کتابت شدہ ہے۔ اس پر سنہ کتابت سنہ ۶۹۱ھ درج تھا۔ حضور کی عمر شریف ۹۶ سال بتائی جاتی ہے اور تاریخ وفات ۷، صفر المظفر سنہ ۶۶۱ھ۔ تمام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آخری عمر میں حضور نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ ملکِ بقا کا یہ مسافر نئے سفر کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ حضرت تمام دن حجرہ شریف میں معتکف رہنے لگے تھے۔ صرف نماز کے لیے مسجد میں تشریف لاتے اور پھر حجرے میں چلے جاتے۔ ڈاکٹر صاحب کو ہر چند عرض کیا گیا کہ کشف المحجوب کا جو نسخہ آپ پیش کر رہے ہیں۔ یہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمتہ کی وفات سے تیس برس بعد میں لکھا گیا ہے اور پھر جب آپ کے مریدوں میں سید السادات جلال بخاریؒ، میر حسینیؒ، سلطان التارکین حمید الدین حاکمؒ اور شیخ الاسلام صدر الدین عارفؒ جیسے جیّد مشائخ موجود تھے۔ بلکہ بقول مولانا جعفر شاہ پھلواری صاحب

پھلواروی شیخ الاسلام کے مُرید لاکھوں کی تعداد میں جاوا سماٹرا تک پھیل چکے تھے۔ اور سندھ کا سارا صوبہ حضور کے ارادتمندوں سے پٹا پڑا تھا۔ یہ تمام لوگ علم وفضل میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ سے شاہ رُکنِ عالمؒ تک مدرسہ بہائیہ میں لاتعداد کتب لکھی گئیں۔ کیونکہ اُس زمانے میں پریس وغیرہ نہیں تھے۔ بلکہ جملہ مدارس میں قلمی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اور"کشف المحجوب" کو تدریسی کتب میں خاص مقام حاصل تھا۔

## ڈاکٹر پروفیسر محمد شفیع صاحب کا ایک اور انکشاف

۹ مارچ ۷۲ء کو حضرت شیخ الاسلامؒ کے عرس مبارک کی تقریب میں مولوی محمد شفیع صاحب نے اپنی تقریر کے دوران بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ:۔

"حضرت شیخ الاسلامؒ موسیقی کے بڑے ماہر تھے آپ نے چند راگ اور راگنیاں ایجاد کی تھیں۔ چنانچہ فقیر اللہ نے "راگ درپن" میں شیخ الاسلامؒ کو ماہرینِ موسیقی میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ خسروؒ کی طرح اُنہوں نے بھی چند راگ اور راگنیاں ایجاد کی تھیں۔ چنانچہ ملتانی اور دھناسری انہی کی ایجاد ہے۔ جس میں دھناسری اور بانسری کو مخلوط کیا گیا ہے۔ آپ نے چھند کی طرز پر کئی نغمے بھی اختراع کیے تھے۔" (مقالات دینی وعلمی ص ۲۶۶-۲۶۷)

مولوی صاحب کی اس قلمی بے اعتدالی پر پورے برِ صغیر میں رنج وغم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور جواب میں کئی مقالے تحریر ہوئے اور ثابت کیا گیا کہ جس صاحب کا فقیر اللہ نے "راگ درپن" میں ذکر کیا ہے۔ وہ مخدوم بہاء الدین برنادی تھے نہ کہ حضرت شیخ الاسلامؒ۔ خاکسار نے وزیر اوقاف ملک حاکمین خاں، ناظم اعلیٰ اوقاف اور جناب کمشنر صاحب

Marfat.com

ملتان کو بھی مراسلات تحریر کیئے اور انہیں مطلع کیا کہ سہروردی سلسلے میں سماع نہیں ہے۔ اور ۱۲۶۰ھ سے آج تک اس خانقاہ میں کبھی "محفلِ سماع" منعقد نہیں ہوئی۔ سید حسام الدین راشدی اس عرس میں مدعو تھے۔ انہوں نے دھیمے انداز میں تقریر شروع کی اور فرمایا کہ "حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذات اس بات سے مبرا ہے کہ بقول مولوی محمد شفیع صاحب انہوں نے راگ ایجاد کیئے تھے۔ یہ محض افترا ہے۔ راگ رنگ سے حضور کو قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ حضرات چشتیہ پر ہر وقت غلبۂ احوال کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ مولانا خدا بخش خیرپوری کی تو یہ کیفیت تھی کہ درختوں کے پتے ہلنے اور گھوڑی کی ٹاپ پر بھی آپ کو وجد آجاتا تھا۔ بایں ہمہ بقول رہبرِ دلبراں:-

"خواہش نہ کردہ بودند کہ قوالے آید و مارا چیزے مے شنوا ید۔" ص ۲۹

حضرت خواجہ فخرِ جہاں علیہ الرحمۃ اپنے مریدوں کو عورتوں سے گانا سننے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کو اطلاع ملی کہ حافظ غلام رسول نے ایک مراثن عورت سے گانا سنا ہے تو آپ اس پر سخت برہم ہوئے۔ اور فرمایا:-

"حافظ جیو! تو مرا چہ مقرر کردی من از آں ملایان ہستم کہ شیخ منصور را بردار کردہ بودند" یعنی "تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ میں تو اُن مولویوں میں سے ہوں جنہوں نے منصور کو پھانسی پر لٹکایا تھا"

حالانکہ حافظ صاحبؒ انتہائی عابد زاہد اور مغلوب الحال بزرگ تھے چالیس[۴۰] سال متواتر انہوں نے نہ تیل لگایا تھا۔ اور نہ کنگھا کیا تھا۔ جون جولائی کے گرم ایام ہوتے یا نومبر دسمبر کے سرد! وہ ہمیشہ دُسّہ اوڑھے رہتے تھے اور اُن کے استغراق کی یہ کیفیت تھی۔ کہ اگر نمازِ عشاء کے رکوع میں استغراق ہو جاتا۔ تو صبح تک رکوع میں ہی کھڑے

Marfat.com

رہتے۔ اسی طرح اگر سجدے میں استغراق ہوتا تو پھر صبح تک سجدے میں پڑے رہتے جس سے آپ نے گانا سنا تھا۔ وہ بھی سیاہ رنگ کی بدہئیت میراسن تھی۔ پھر آپ خود چل کر نہیں گئے تھے۔ سرِراہ اُس سے چند اشعار سن لیئے تھے۔ مگر شیخ طریقت اتنی سی بات کو بھی گوارا نہ کر سکے۔ بلاشبہ حضرت شیخ الاسلامؒ اور اُن کے خلفا سماع کے نہ مخالف تھے اور نہ منکر۔ مگر چونکہ عام لوگ شرائط کی پابندی نہیں کر سکتے تھے اس لیے حضرت نے اُسے اپنے ہاں رائج نہ کیا۔ حضرت سید غوث علی شاہ پانی پتی قادری کا ارشاد ہے کہ:۔" خاندانِ قادریہ اور چشتیہ میں ذکر جہر معمول و مختار ہے۔ لیکن نقشبندی یا سہروردی ذکر بالجہر کریں تو ان کا پہلا ذوق و شوق بھی جاتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک عارف نے کہا ہے ۔

کاہو کے من کچھو لبسے کاہو کے من کچھ نہ سہائے
آگ پھونک سے جل اُٹھے دیا پھونک سے بُجھ جائے

شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمتہ نے سہروردیوں کا سماع سے لاتعلقی کا ذکر اس طرح سے کیا ہے:۔

" در سہروردیہ ہمہ چیز است کہ سبب تقرب وتوسّل حق سبحانہٗ
است الّا سماع۔" (دُرّ المعارف)

## محکمہ اوقاف اور خانقاہوں کی تعمیر و مرمّت

پاکستان بھارت جنگ کے دوران جبکہ دشمن کے ہوائی جہاز شہروں پر بمباری کر رہے تھے مشائخ سہرورد کے فلک بوس مقبرے قلعے کی بلند سطح پر ہونے

کے سبب دشمن کی زد میں تھے اور اُن کے شہید ہونے کا خطرہ تھا۔ اِس لیئے حضرت شیخ الاسلامؒ کے عقیدتمندوں نے محکمہ اوقاف سے درخواست کی کہ بمباری کے خطرہ کے پیش نظر گنبدوں پر سبز یا فیروزی رنگ کر دیا جائے۔ حضرت شیخ الاسلام کا عرس قریب تھا جناب غضنفر مہدی نے بڑا واویلا کیا کہ شاہ شمسؒ کے مقبرہ کی طرح گنبد پر سبز رنگ کردیا جائے لیکن محکمہ اوقاف کے بنیاپن نے پرواہ نہ کی اور دونوں مقابر پر مٹی کا لیپ کر دیا گیا جس سے حضرت شیخ الاسلام کے ارادتمند بالخصوص سندھی عشّاق چیخ اٹھے۔ مگر محکمہ اوقاف ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور جنگ ختم ہونے کے باوجود تین ماہ تک حضرت غوث پاکؒ اور حضرت شاہ رکن عالم کے گنبدوں پر مٹی کی تہہ جمی رہی۔ سیّد حسام الدّین راشدی مرحوم نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی خانقاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے رنج اور غم سے کہا کہ سندھ کی کوئی درگاہ ایسی نہیں۔ جس کا اس خطیرہ قدس سے روحانی تعلق نہ ہو اور حضرت مخدوم محمد سجاد حسین صاحب سب کے لیئے واجب الاحترام ہیں۔ مخدوم صاحب نے اُٹھ کر فرمایا۔ کہ حضرت غوث پاکؒ کی شان تو اُن کے ساتھ ہے لیکن میں ملتان اور سندھ کے تمام بھائیوں کا خادم اور دُعاگو ہوں۔ جنگ ختم ہوئے ۳ ماہ گذر چکے تھے تمام کاروبار معمول پر آ گئے — لیکن حضرت غوث پاکؒ اور اور شاہ رکن عالمؒ کے مقابر کی مٹّی نہ دُھل سکی۔

محکمہ اوقاف کا دوسرا منصوبہ حضرت قطب الاقطاب شاہ رکن عالمؒ کے مقبرہ کی مرمّت کا تھا۔ چار سال کے عرصے میں مرمّت کا کام انجام کو پہنچا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ حضرت شاہ رکن عالم کے گنبد کی سفیدی میں یکسانیّت پیدا نہ ہو سکی۔ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں جن سے اسے مرمّت کیا گیا ہے۔ وہ دُور سے الگ الگ نظر آتی ہیں۔ کوئی سفید ہے کوئی میلی۔ یہ دھبے قبّے پر نہیں بلکہ انجینئروں کے دامن پر ہیں۔ قبر پر معماروں کی نشست کا انتظام

جس خوبی سے کیا گیا ــ آج سے سات سو سال قبل کے معماروں کو نصیب نہیں تھا یقیناً انہوں نے بھی پورے قبّے کو کئی مہینوں میں ختم کیا ہوگا۔ مگر اُس قبّہ کی سطح تو سفید انڈے کی طرح تھی۔ سات سو سال کی مدّتِ مدید اور انگریزوں کی گولہ باری بھی اس کے حُسن وجمال کو نہ بگاڑ سکی۔ گولہ باری کے صدمات کے باوجود وہ دُور سے نُور بکھیرتا نظر آتا تھا۔ پہلے معماروں نے بھی تو آخر اسے ٹکڑوں میں بانٹ کر بنایا ہوگا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کے تعمیر کردہ قُبّہ پر تو کوئی دھبّہ نہیں پڑا۔ کوئی ٹکڑی بدنما نہیں ہوئی۔ مگر آج کے ترقی یافتہ دور میں قبّہ عیب دار ہو گیا۔ قبّہ کا سابقہ کلس سات صدیوں کی بارشوں اور تمازت و برودت برداشت کرنے کے باوجود ابھی تک سونے کی طرح چمک دمک رہا تھا۔ لیکن موجودہ کلس کو ایک سال بھی نہیں گذرا کہ سیاہ پڑ گیا۔ ہم نے محکمہ اوقاف کے ناظم حاجی محمد ارشد صاحب کی موجودگی میں چودھری محمد علی سے کھُل کر بات کی تھی۔ مگر یہ سُن کر ہمیں تعجّب بھی ہؤا اور افسوس بھی۔ کہ کلسوں کی گلٹ کرائی پر بارہ ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں مجھ پر بددیانتی کا الزام نہ لگائیں چودھری صاحب نے گلٹ کرانے کی ذمّہ داری قبول نہیں کی اگر چودھری صاحب تنہا اس ذمّہ داری سے عہدہ برآ ہونے کو تیار نہیں تھے تو خان ولی اللہ خاں آخر کس مرض کی دوا تھے۔ اُن کا دفتر خانقاہ کے سایہ میں واقع تھا وہ تشریف لاتے اور کئی کئی دن یہاں مقیم رہتے تھے۔ کلسوں کا گلٹ وہ اپنی نگرانی میں کرا سکتے تھے۔ تعجّب کی بات ہے کہ سکھّوں کے گوردواروں پر تو پیتل کے کلس چمکتے نظر آئیں۔ مگر آٹھ لاکھ کے مصارف کے باوجود حضرت قطب الاقطاب کا نہ گنبد صحیح بن سکا اور نہ ہی کلس ٹھیک گلٹ ہوئے۔ اور پھر ہم سے توقع کی جاتی ہے کہ اس کارگذاری پر تعریفوں کے پُل باندھ دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سُخنہائے گفتنی

ہندوپاکستان کے اسلامی دور میں دو قسم کی بادشاہتیں ساتھ ساتھ قائم تھیں۔ ایک تخت وتاج کے حکمرانوں کی اور دوسری خانقاہوں کے بوریہ نشین درویشوں کی ملکی بادشاہوں کا رُعب اور دبدبہ فوج اور سپاہ سے قائم تھا۔ لیکن ان روحانی شہنشاہوں کی شوکت و عظمت کا مظہر اُن کی پیوند لگی گدڑی تھی۔ جسے بڑے بڑے قہرمانِ سلاطین بھی ادب اور عقیدت کے ساتھ بوسہ دیتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ گودڑی پہن کاسہ ہاتھ میں لیے دُنیا کے دشوار گذار راستوں کو طے کرتے اور تپتے ہوئے ہلاکت خیز ریگستانوں اور دریاؤں کی تلاطم خیز موجوں سے بے خوف ہو کر وحشی اور ہیبتناک صحرانشینوں کی آبادیوں اور سلاطین کے محلات میں پہنچ کر اس شان سے نعرۂ تکبیر بلند کرتے کہ فلک بوس پہاڑ اور شاہی ایوانوں کے درو دیوار لرز اُٹھتے۔ گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت اُن کی توجہ سے صراط المستقیم پر گامزن ہوتے اور اقوام و ملل کی قسمتوں اور تاریخوں میں یکسر انقلاب برپا ہو جاتا۔ بلاشبہ یہی بزرگ ہی تو تھے جنہوں نے غلاموں کو آقائی اور سیاہ فام حبشیوں کو شوکت و دارائی عطا کی۔ دُنیا کو استقلال، اطمینان، عزم بالجزم، اتفاق واتحاد، اخلاص و محبت، وفاداری و استواری اور حمیت اسلامی جیسے اخلاقِ فاضلہ سے متعارف کرایا۔ اَفضلُ الجہادِ کلمۃُ الحقِ عندَ سلطانِ الجابرِ کے مصداق

Marfat.com

بڑے باجبروت اور قہرمان سلاطین کے دربار میں پہنچ کر انہیں خدا سے ڈرنے اور غریب رعایا پر رحم کرنے کی تلقین کی اور بڑے بڑے سرکش اور فراعنہ صفت کافر بادشاہوں کے قلوب پر اسلام کی صداقت اور حقانیّت کا سکّہ بٹھا دیا۔ یہ حضرات اپنے سینوں میں پارے کی طرح بیتاب دل رکھتے تھے۔ یقین اُن کا ایمان اور عشق اُن کی سپر تھی۔ قندیلِ ایمان لے کر کبھی بجلی بن کر رزم گاہ میں کوندے اور کبھی جمالِ خداوندی کا مظہر بنے۔ قریہ قریہ میں دعوتِ حق دیتے نظر آئے۔ جو رضائے الٰہی کے لیئے طوفانوں سے اُلجھے۔ پہاڑوں سے ٹکرائے اور ظلمات و تعیّنات کے پردوں کو چاک کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے۔ جہاں تک مشیّتِ الٰہی کو منظور تھا۔ جو لوگ اسلام کو تلوار کا رہونِ احسان گردانتے ہیں۔ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ چین میں کروڑوں بدھوں اور بت پرستوں کو مسلمان بنانے کے لیئے کونسی تلوار چمکی تھی؟ جاوا اور سماٹرا کے بت پرستوں کو کس تلوار نے حلقہ بگوش اسلام کیا تھا؟ سراندیپ میں کس شمشیرِ خارا شگاف نے کالی دیوی کی مورتیوں کو دو نیم کیا۔ آج سے سات سو سال پیشتر جب بنگال میں راجہ گوڑ گوبند کے مقابلے میں سلطان سکندر کی تلوار عاجز آ گئی تھی۔ تو کس طاقت نے اس کُند تلوار کو صیقل کر کے کفر و ظلمت کے لیئے برقِ صاعقہ بنا دیا تھا۔ لاریب یہ صوفیائے کرام ہی تھے۔ جو گمراہی اور ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں مشعل ہائے تابندہ سے گمراہوں کو راستہ اور منزل سے بھٹک جانے والے مسافروں کو منزل کا نشان دکھاتے پھرتے تھے۔ اور یہ انہی خدایا دورویشوں کی بے لوث اور پیہم مساعی جمیلہ کا ہی کرشمہ ہے۔ کہ کفرستانِ ہند کے شمال مغربی اور مشرقی حصوں میں مسلمانوں کی دو وسیع سلطنتیں پھیلی ہوئی نظر

Marfat.com

آرہی ہیں۔ مؤرخ کا قلم، ادیب کا دماغ، اور شاعر کا دل صوفیہ کی عظمت سے ہمیشہ متاثر رہا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے علم و دانش کی قوت سے بخوبی جانتے ہیں۔ کہ اس طبقہ نے اسلام کی اشاعت میں کتنا عظیم حصّہ لیا ہے۔ حضرات علماء مسلمان حملہ آوروں کے ساتھ یا اُن کے بعد مفتوحہ ممالک میں پہنچے ہیں۔ لیکن اولیاء اللہ کے وفود مسلمان فاتحین سے کہیں پہلے سرزمینِ ہند میں داخل ہو چکے تھے۔ صرف ہند میں نہیں۔ بلکہ تاجروں اور تارک الدنیا فقیروں کے بھیس میں صوفیاء سورت۔ کالی کٹ۔ گوا۔ سرنگاپٹم۔ رنگون۔ سنگاپور۔ ملایا۔ اور چین تک بڑھتے چلے گئے۔ اور ایسے ایسے ملکوں میں جا کر اسلام پھیلایا۔ جہاں آج تک کوئی حملہ آور مسلمان نہیں گیا تھا غازیوں کی خون آشام تلوار سے کہیں پہلے ان فقراء نے اپنے حُسنِ اخلاق کی شمشیرِ بُرّاں سے انہیں مطیع و منقاد کر لیا تھا۔ حضرات صوفیاء کہیں جم کر نہ بیٹھے۔ اپنی ساری زندگی میں قریہ قریہ گھوم کر دُنیا کے ظلمتکدوں کو نُورِ توحید سے منوّر کرتے رہے۔ ساحلی کناروں کو حلقۂ بگوش اسلام کرنے کے بعد اندرونِ مُلک کی طرف متوجّہ ہوئے۔ راجپوتانہ۔ سندھ اور بلوچستان کے چٹیل اور بنجر علاقوں، پنجاب کے سرسبز میدانوں، ہمالیہ کی پُر بہار بلندیوں، کشمیر کی جنّت نظیر وادیوں، سرحد کے عقاب نشیمن اور سر بفلک پہاڑوں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ دُشوار گذار مقامات میں مصروف کار رہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ شمشیر و سنان نے اسلام کے لئے مَیدان ہموار نہیں کیا۔ اور نہ ہی ارباب ظواہر کا مقدّس گروہ دِلوں کے قلعے مسخر کر سکا۔ کیونکہ علم فصاحت و بلاغت کے اسرار و رموز سے آگاہی تو بخش سکتا ہے۔ لیکن "کیفیّت" عطا نہیں کر سکتا۔ یہ سعادت صرف عشق کے حصّے میں آتی ہے۔

Marfat.com

جو پتھر دلوں کی کائنات میں تہلکہ برپا کر دیتا ہے۔ مبلغ کے لیئے ضروری ہے کہ وُہ سراپا خلوص اور تقویٰ کی تصویر ہو۔ ایسے افراد جو دعوت و ارشاد کا منصب محض جاہ طلبی اور جلبِ منفعت کے لیئے اختیار کرتے ہیں۔ دلوں کی دُنیا میں انقلاب کیسے لا سکتے ہیں!

صُوفیاء کی زبان میں وہ گھلاوٹ ہوتی تھی۔ جس سے پریشان رُوحوں کو اطمینان کی دَولت ملتی تھی۔ اُن کے کلام میں وہ تاثیر تھی۔ جس سے روح میں ایک سرمدی کیف و سرور پیدا ہو جاتا تھا۔ عشق کا فیضان انہی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ عشق زبان بھی عطا کرتا ہے۔ اور کیفیت بھی۔ مقصد کی دُھن انسان کو وہ پروانہ عطا کرتی ہے۔ جس کے سامنے عالمِ بالا کی بلندیاں بے حقیقت نظر آنے لگتی ہیں۔ عزم راسخ کے ساتھ انسان نیکی کی طرف بڑھتا ہے۔ تو اس کے لیئے سعادتوں کے دروازے چوپٹ کُھل جاتے ہیں۔ غیب سے ایسے اسباب پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جو اُس کے سان گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ اِس لیئے ان خدا یاد درویشوں نے صرف دنیا کے ظلمتکدوں میں اسلام کا پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ بلکہ مسلمان فاتحین کے لیئے فتح و نصرت کا دَروازہ بھی کھول دیا۔ علاّمہ اقبال احمد فاروقی کیا خُوب لکھتے ہیں کہ:۔

"اہل اللہ جہاں بیٹھے، ایک جہان آباد کر کے اُٹھے۔ جہاں قدم رکھے۔ وہاں قیامت تک کیف و سرور کے چشمے پھوٹتے رہے۔ جو بات مُنہ سے نِکلی۔ وہ داستانِ حیات بن گئی۔ اور جو اشارہ کیا۔ وہ دِل کے لیئے سبقِ محبّت بن گیا۔ زمانے کے اِنقلابات اِن نفوس

Marfat.com

کو مٹا نہ سکے۔ اور صدیاں گذرنے پر بھی اہل اللہ کے نقوش نہ مٹ سکے"۔ ؎

شُدیم خاک ولیکن ز بوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مردمے خیزد

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

" ان بزرگوں کے فیضانِ نظر نے جو ہستیاں پیدا کیں۔ وہ آسمانِ رُوحانیّت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں۔ اُن کی خانقاہیں رُوحانیّت کی بہترین درسگاہیں بنیں۔ اُن کی مجلسیں دُکھی انسانیّت کا دار العلاج تھیں۔ اور اُن کے اقوال بھٹکتے دِلوں کے لیئے چراغِ راہ تھے۔ صوفیائے عوام کے قلب و نظر کو نکھارنے میں جو اہم کردار انجام دیا ہے۔ وہ بڑا تفصیل طلب موضوع ہے۔ مگر ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شہنشاہوں کے درباروں سے فقراء کے بوریاؤں تک فیضانِ نظر نے ہر جگہ اپنا کام کیا۔ نقشبندیوں کا جذب، چشتیوں کا وجد، سہروردیوں کی "ہا و ہُو" اور قادریوں کے ذِکرِ "ہُو" نے قلب و جگر کو جو ضرب عنایت کی ہے وہ اربابِ ظواہر کو کہاں نصیب۔!" ؎

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست ؎ (ضرورتاً تصرف)

؎ اذکارِ نوشاہیہ از حضرت ابو المظفر سیّد شریف احمد صاحب شرافت قادری نوشاہی صفحہ ۷ تا صفحہ ۸

# عقابوں کے نشیمن

جب تک اولیاء اللہ کا یہ مقدس گروہ اپنے آستانوں خانقاہوں اور حجروں میں اپنے علم و عمل، زہد و تقویٰ اور اخلاقِ جمیلہ کے بے ضرر خاموش مگر کارگر ہتھیاروں سے بتانِ ہند کے دلوں کو مسخر کرتا رہا۔ تبلیغ و اشاعتِ دین کا سلسلہ پوری کامیابی سے جاری رہا۔ ان کے بعد صدہا سالوں تک اُن کے جانشینوں نے بھی رُشد و ہدایت کی اِس شمع کو روشن رکھا۔ اور طالبانِ حق اس کی تابانیوں سے برابر اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ لیکن جب انگریز مبلغ اور تاجر ایسٹ انڈیا کمپنی کا پُرفریب تجارتی لبادہ اوڑھ کر اس ملک میں داخل ہوئے۔ تو کہکشاں کی یہ پُرنور سڑک کانٹوں سے اَٹ گئی۔ اشاعت و تبلیغ کے تمام دَروازے یکلخت بند ہو گئے۔ اور ”غازیِ اسلام“ ”کافرِ ہندی“ بن کر رہ گیا۔

انگریز اور سکھ ہوشیار لوگ تھے۔ وہ خوب جانتے تھے۔ کہ اسلام مسلمان سلاطین کی طاقت سے نہیں۔ بلکہ درویشوں کے اثر و نفوذ سے پھیل رہا ہے اور اُن کی حکومتیں بھی اُن کے دَم قدم سے آباد ہیں۔ تو اُنہوں نے خداشناسی کے ان اداروں کو کُلیتہً مٹا دیا۔ خانقاہیں اور مسجدیں سکھ سرداروں کا نشانہ بن گئیں۔ خانقاہیں میگزین کا کام دینے لگیں۔ اور مساجد میں سے کئی سکھوں کی قیام گاہیں بنا دی گئیں۔ اور بعض سے اصطبل کا کام لیا جانے لگا۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ شاہی مسجد سکھوں کا سب سے بڑا اصطبل تھا۔ اور اس کے جلو میں جو بہت بڑا

Marfat.com

دینی مدرسہ تھا۔ اس میں سکھ فوج رہتی تھی۔ جہانگیر اعظم کا مقبرہ جنرل ونٹورہ کو الاٹ کر دیا گیا تھا۔ مقبرہ کے اُوپر جو سنگ مرمر کی حسین وجمیل بارہ دری تھی۔ اُسے اتار کر قلعہ معلیٰ کے سامنے نصب کیا گیا۔ جو اب تک شکستہ حالت میں خالصہ گردی کا ثبوت بہم پہنچا رہی ہے۔ نور جہاں اور آصف جاہ کے مقبروں سے قیمتی پتھر نکال لیے گئے۔ ملکہ کے مرمریں تابوت کی بڑی شہرت تھی۔ اُسے نکال کر ملکہ کی لاش کو گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ علامہ آرزو لکھنوی جب سیر و تفریح کی غرض سے لاہور تشریف لائے۔ تو ملکہ کے مقبرہ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بیحد متاثر ہوئے۔ اور مزار کے سامنے دیوار پر یہ شعر لکھ دیا ؎

قتالِ جہاں معشوق جو تھے سونے پڑے ہیں مرقداں کے
یا مرنے والے لاکھوں تھے یا رونے والا کوئی نہیں

نواب میاں خان (فرزند ارجمند نواب سعد اللہ خان) کا مقبرہ سالم سنگِ موسیٰ سے تعمیر ہوا تھا۔ سکھ اس کے تمام پتھر اکھیڑ کر امرتسر لے گئے۔ دربار کے فرش پر جو سیاہ پتھر نظر آتا ہے یہ سب نواب میاں خاں کے مقبرہ کا ہے۔ اور سنگ مرمر کا جتنا کام دربار مذکورہ میں ہوا ہے یہ سب لاہور اور اس کے گردو پیش کی مساجد اور خانقاہوں سے اُکھیڑا گیا ہے۔ سکھوں کو اپنے آستانوں کو آراستہ کرنے کے لیے سنگِ مرمر کی ضرورت ہوئی۔ تو انہیں جہاں سے ملا۔ بلا تکلف نکال لیا۔ الغرض مساجد اور مقابر سے سنگِ مرمر کے تمام الواح اُتار لیے گئے۔ اور ان کی جگہ معمولی پلستر کر دیا گیا۔ ورنہ مقبرہ جہانگیر اندر باہر سنگِ مرمر سے مزیّن تھا۔ مقبرہ نور جہاں بھی تین منزلہ تھا۔ اور اس پر نفیس ترین سنگِ مرمر کا کام کیا گیا تھا۔ موجودہ مقابر تو

Marfat.com

ان کے ڈھانچے ہیں۔ خواہ جہانگیر کا مقبرہ ہو یا نور جہاں کا۔ یہ سب کئی منزلہ تھے اُس وقت دنیا میں ان کے پایہ کی کوئی عمارت نہ تھی۔ لوگ چاندنی راتوں میں ان کا نظارہ دیکھنے آتے تھے۔ مقابر کے چاروں اطراف میں طلباء کے حجرے تھے۔ جن کے قیام و طعام کا انتظام مقابر کی انتظامیہ کے سپرد تھا۔ ہمہ وقت قرآن پڑھنے کی آواز سے مقبرہ کے ماحول میں گونج پیدا ہوتی رہتی تھی۔ ملکہ کے مقبرہ کے ساتھ بیوگان اور یتیم بچیوں کی رہائش کے لیئے حجرے بنے ہوئے تھے۔ جن کے قیام و طعام کے اخراجات کے لیئے سیر حاصل اوقاف مختص تھے۔ جو سب خالصہ گردی کی نذر ہو گئے۔ نواب علی مردان خان کا مقبرہ میگزین کا کام دیتا رہا۔ نواب معین الملک کے مقبرہ کو کھدوا کر تابوت نکال لیا گیا۔ مسجد شہید گنج کا حشر کسی سے مخفی نہیں۔ سکھوں کے بعد لاہور کا چارج انگریزوں نے سنبھالا۔ تو انہوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ مولانا نور احمد چشتی۔ اور مسٹر لطیفی خود اُس دور میں موجود تھے۔ اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کے آثار متبرکہ کو تباہ و برباد ہوتے دیکھا۔ وہ دونوں اس امر کے شاہد ہیں۔ کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے استاد محترم مولانا محمد صالح کمبوہ کا مقبرہ ایک پادری کو دے دیا گیا تھا۔ جو اب تک ایک گرجے کا حصہ بنا ہوا ہے۔ مولانا نے عمل صالح کے نام سے عالمگیری دور کی تاریخ مدون کی تھی۔ اُن کے پہلو میں مصنف انوار سہیلی کی قبر تھی۔ الغرض دنیاوی جاہ و جلال کے آثار تو مٹ گئے مگر اللہ والوں کے آستان سکھوں کی برچھا گردی کے دوران بھی محفوظ رہے اور اب بھی ہمہ وقت ان کے گرد و پیش عقیدتمندوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔

لہ۔ جہانگیر نے اپنے عہد میں اس جگہ جہاں اب لاہور سٹیشن ہے عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی جو وسعت اور فراخی میں بادشاہی مسجد کے برابر تھی۔ اس کے چاروں طرف دکانیں تھیں۔ انگریزوں نے اسے لاہور سٹیشن کے لیئے شہید کرا دیا اور شہر کے گرد و پیش جو تاریخی عمارتیں تھیں وہ محمد سلطان نامی ایک ٹھیکیدار کے حق میں نیلام کر دی گئیں جس نے بلا امتیاز مساجد و خانقاہ سب کو کھدوا کر ان کی اینٹیں فروخت کر دیں

Marfat.com

# تصوّف

## مسلمان صُوفیہ کا تاریخی پس منظر

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبل اِس کے کہ تصوّف کی کیفیّت بیان کی جائے۔ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت اس مجموعۂ احکام کا نام ہے۔ جو قرآن کریم اور رؤف نبیؐ کی تعلیم ہے جس پر عمل نہ کرنے یا انکار کرنے سے کوئی شخص مسلمان یا مؤمن کہلانے کا حقدار نہیں رہتا۔ جس طرح ہر کام کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے اسی طرح شریعت حقہ کا بھی ظاہر اور باطن ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے۔ جس طرح نماز پڑھنے میں ہاتھوں کا اُٹھانا، سر جھکانا، زبان سے تکبیرات ادا کرنا تسبیحات پڑھنا وغیرہ۔ فقہاء اور علماء بھی اس کے احکام یوں بیان فرمائیں گے۔ کہ مُنہ قبلہ کی طرف کرو۔ سجدہ میں ہاتھوں کو اس طرح رکھو۔ پھر سر پہلے اور ہاتھ پیچھے اُٹھاؤ۔ تشہدّ میں اس طریق سے بیٹھو۔ وغیرہ ان کا نام شرع کی زبان میں "ظاہری ارکان" ہے۔ حضرات علماء کرام اور فقہاءِ عظام انہی ظاہری ارکان کی صحت کو دیکھ کر نماز کی صحّت کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ اور باطنی ارکان میں صرف تکبیر اولیٰ کہتے وقت حضورِ قلب اور صحّتِ نیّت وغیرہ کا ہونا صحّتِ نماز کے لیئے کافی سمجھتے ہیں اور یہی اُن کا منصب ہے۔ باطنی اُمور جن کا نام حضورِ قلب، صحتِ نیّت، خشوع، خضوع، ہیئت۔ تعظیم، خوف و رجاء وغیرہ جسے شریعت کی زبان میں اخلاص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان پر چونکہ ان بزرگانِ دین کو کسی کے حال کے لحاظ سے اطلاع نہیں ہوتی۔ اس لیئے ان کی نسبت بالاجمال ہی حکم لگا دیتے ہیں۔ کہ ہر کام میں نیّت نیک چاہیئے

Marfat.com

پس اسی باطنی حصّہ کا نام طریقت یا تصوّف ہے۔ وہ انسان نادان ہیں۔ جو اس کو کسی اور رنگ میں تعبیر کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ شریعت اور طریقت کی حقیقت ایک ہے۔ یعنی یہ کہ ہر کام کا ظاہر اور باطن درست ہو۔ اور قولاً، فعلاً اور عملاً انسان کا ظاہر و باطن آراستہ و پیراستہ ہو۔ یہی شریعت اور یہی طریقت یا تصوّف ہے۔

علامہ شوکانیؒ کے نزدیک تصوّف کے معنی دُنیا سے بے تعلق ہونے کے ہیں۔ یہاں تک کہ مٹی اور سونا اور لوگوں کی مدح و قدح اس کے نزدیک برابر ہو۔ ہر وقت خدا کے ذکر میں مشغول رہے۔ ایسا شخص روحانی طبیبوں میں سے ہوتا ہے اور وہ باطنی امراض کا علاج کرتا ہے۔ جیسے غرور، حسد، بڑائی۔ ریا اور اس قسم کی دیگر شیطانی باتیں جو تمام معصیات اور گناہوں سے بڑھ کر ہیں۔ بعد ازاں جن حجابات کے باعث حکمت کے دروازے بند تھے۔ کھل جاتے ہیں۔ اور جب انسان ظاہری اور باطنی غفلت کے حجابات سے صاف اور گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے تو ایسے حواس سے دیکھتا، سنتا اور سمجھتا ہے۔ کہ اُسے حقائقِ اشیاء کے سمجھنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی حدیث قدسی[1] میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"کسی چیز سے میرا اتنا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ جس قدر ان فرائض کے ادا کرنے سے ہوتا ہے۔ جن کا میں نے حکم دیا ہے (اس کے بعد نوافل کا درجہ ہے) جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے تو میں اس سے محبّت کرنے لگتا ہوں اور جب مجھے اس سے محبّت ہو جاتی ہے۔ تو میں ہی اُس کے کان ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اُس کی آنکھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ہی اُس کے

[1] مرصاد العباد

ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں ہی اُس کے پیر ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ چلتا ہے۔ پس وہ میرے ذریعے سے سُنتا، میرے ہی ذریعے سے دیکھتا، میرے ہی ذریعے سے پکڑتا اور میرے ہی ذریعے سے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں فوراً دے دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں۔ مجھ کو کسی کام میں جسے میں کرنا چاہتا ہوں ۔ ایسا تردّد نہیں ہوتا۔ جیسا اپنے بندے کی رُوح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ الغرض سبیل الرشاد کو طے کرنے اور عالم یقین میں پہنچنے کے لیئے صاحب تصرّف مرشد کی ضرورت ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

"اَلشَّیخُ فی قومِہٖ کالنَّبِیُّ فی اُمَّتِہٖ"

تبلیغ و ہدایت کی رُو سے شیخ کا مرتبہ اپنی قوم میں وہی ہے۔ جو نبی کا اپنی اُمت میں ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری۔ میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں۔ جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مرتبہ نبوّت و رسالت کی تکمیل کے لیئے پہلے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنا پڑی۔ پھر کہیں مکالمہ حق کا درجہ حاصل ہوا۔

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
کہ چند سال بجاں خدمتِ شعیبؑ کند

اگرچہ کلیم اللہ ہونے کی دولت اور کَتَبْنَا فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَۃً وَّ تَفْصِیْلاً لِّکُلِّ شَیْءٍ کی تفصیل الواح میں لکھ دی۔ بایں ہمہ علم لدنّی کی ابجد سیکھنے کے لیئے اُنہیں حضرت خضر علیہ السّلام سے درخواست کرنا پڑی۔ اس راستے کا نادان مسافر وہ ہے۔ جو یہ خیال کرتا ہے کہ وصالِ ذُوالجلال کے لیے کنار

Marfat.com

جنگل کو بغیر کسی راہنما کے طے کر لے گا۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ۔

اِس راستے کے خطرات کو وہی جانتے ہیں۔ جنہوں نے مُرشدِ کامل کی راہنمائی میں اس راہ کو طے کیا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ ہمّت سالک اپنے قدم کی قوّت سے اس راہ کو طے کرنا چاہے تو سالہا سال کے عرصے میں وہ ایک مقام کو طے نہ کر سکے گا۔ کیونکہ مبتدی کی سیر کمزور چیونٹی کی رفتار سے بھی کم ہوتی ہے نیز اس راہ میں بعضے ایسے مقامات ہیں۔ جنہیں اُڑ کر عبور کیا جاتا ہے اور سالک کی اِبتدائی صورت تو انڈے کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک اس کے پَر نہ نکلیں وُہ کیسے اُڑ سکتا ہے۔ شیخ ابوبکر جامی خوارزم کے ایک مجذوب تھے۔ اُن کا کوئی شیخ نہیں تھا۔ لیکن جذباتِ حق کے تصرّفات سے عالی مقامات اُسے حاصل تھے۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے شیخ نجم الدّین کُبریٰ کو بتایا۔ کہ میں پینتالیس سال سلوک طے کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچا ہوں۔ اور اس مقام پر میں نے ۲ دو سال ظاہری اور باطنی سخت محنت کی۔ اور خونِ جگر پیا۔ تب کہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام کو عبور کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جب حضرت مجدالدّین بغدادیؒ کو اِس اَمر کی اِطلاع ہوئی۔ تو فرمایا۔

"کوئی شخص مرشد کی قدر نہیں جان سکتا۔ اور نہ اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔ ہمارے مریدوں میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے ۲ دو سال کے اندر اس راہ کے سلوک کا سفر طریقت کے آغاز سے حقیقت کی انتہا تک طے کیا ہے اور جب اس مقام پر پہنچے ہیں۔ تو ایک یا ۲ دو روز میں ہم نے انہیں اس مقام سے عبور کرا دیا جس مقام پر شیخ ابوبکر پینتالیس ۴۵ سال کے مجاہدہ کے بعد پہنچا اور ۲ دو سال کی سخت ریاضت کر کے آگے

بڑھا۔ الغرض جب مُرید صادق شیخ کا جمال آئینۂ دِل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ تو فوراً اس کے جمال پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور اس کا آرام و قرار جاتا رہتا ہے۔ شیخ نجم الدین لکھتے ہیں کہ تمام سعادتوں کی جائے پیدائش یہی بے قراری اور عاشقی ہے اور جب تک مُرید شیخ کی ولایت کے جمال پر عاشق نہ ہو جائے وہ اپنے اختیار اور ارادت کے تصرّف سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور ارادت شیخ کے تصرّف کو قبول نہیں کر سکتا۔


افسانے حقیقت سے زیادہ پُرکشش اور دلفریب ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ کو بگاڑنے میں حقیقت سے زیادہ افسانے ہی کا ہاتھ ہے!

لیکن

اگر افسانے حقیقت پر مبنی ہوں تو وہ قوموں کے بے حس اجسام پر تازیانے کا کام دیتے ہیں۔ ملّت کو عبرتناک واقعات یاد دلا کر صحت مند تعمیر پر آمادہ کرتے اور صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کرتے ہیں

مولانا نور احمد خان فریدی کے اصلاح کار قلم نے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات کو افسانے کا روپ عطا کیا ہے!

# اسلامی افسانے

ایسے ہی عبرتناک، سچے اور تاریخی واقعات کا مجموعہ ہے جس میں ادب کی چاشنی، مکالمے کی چستی، رومان کی پاکیزگی اور زبان کے چٹخارے یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب؛

قصر الادب رائیٹرز کالونی ملتان


Marfat.com

# صُوفیہ کا علمی مرتبہ

بعض لوگ جنہیں صوفیاء سے عقیدت نہیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔ کہ رُشد و ہدایت اور تبلیغِ اسلام کا کام شروع سے حضرات علماء سے متعلق رہا ہے۔ صوفیاء حجرہ نشین لوگ تھے۔ اور ہمیشہ دنیا پر بوجھ بن کر رہے۔

حضرات علماء کی دینی خدمات کا کہنا۔ بلاشبہ یہ حضرات وارثانِ نبوّت ہیں۔ انہوں نے حدیث اور فقہ کی تدوین کی، عوام کو دین سے متعارف کراتے اور مسائل دین کو عام فہم صورت میں پیش کر کے اسلام کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے حضرات صوفیہ بھی ہمیشہ علماء کا احترام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام بہاء الدّین زکریّا قدس سرّہٗ سہروردی سلسلہ کے برّصغیر میں شیخ الکُل ہونے کے باوجود خانقاہ کی مسجد کو چھوڑ کر مولانا قطب الدّین کاشانی علیہ الرحمتہ کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لیئے اُن کی مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ جو اُن کی خانقاہ سے کافی دُور تھی۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ کسی عالم کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتنا ثواب ملتا ہے۔ گویا اس نے کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھ لی ہو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اشاعتِ اسلام میں جو کامیابی حضرات صوفیہ کو ہوئی ہے۔ اس کو اسلام کا کوئی دُوسرا گروہ نہیں پہنچ سکا جو لوگ علماء اور صوفیاء میں تفریق کرتے ہیں۔ وہ شاید نہیں جانتے۔ کہ صوفی کے لیئے علومِ متداولہ کی تحصیل ضروری ہوتی ہے۔ یعنی تصوّف کی دُنیا میں قدم رکھنے سے

Marfat.com

پہلے علوم متداولہ کی سرحد کو پار کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے اکثر مشائخ کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا۔ اُن کا قول تھا۔ کہ بے علم صوفی شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدّین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ ابتدائے احوال میں جب حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی قدس سرّہٗ کے دستِ بیعت ہو کر اُن کے ہمراہ دہلی چلنے لگے تو اُنہوں نے آپ کو لے جانے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا۔ پہلے علم حاصل کرو۔ پھر میرے پاس آؤ[1]

حضرت محبوب الٰہی نظام الدّین اولیاءؒ قرآن مجید کے علاوہ صحاح ستّہ کے بھی حافظ تھے۔ شیخ الاسلامی کے انتخاب میں ہندوستان کے اڑھائی سو جیّد علماء نے حصّہ لیا تھا۔ اس میں آپ سب سے اوّل آئے تھے[2] گویا جب ہم کسی صوفی کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ عالم پہلے ہوتا ہے اور صوفی بعد میں۔

عالم علوم متداولہ پر قناعت کر لیتا ہے اور رُوح کی ارتقائی منازل کی طرف توجّہ نہیں ہوتا۔ صوفی پہلے علوم متداولہ کا اکتساب کرتا ہے پھر شیخ طریقت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے۔ اگر اس کا جوہر لطیف ہے تو جلد ورنہ کافی مدت اس وادی میں سرگرداں پھرنے کے بعد عرفان کی نعمت پا لیتا ہے معترضین سے یہ غلطی محض اس لیئے ہوتی ہے کہ وہ اکابر صُوفیاء کو دَورِ حاضر کے نام نہاد صوفیوں پر قیاس کر لیتے ہیں۔

---

[1] ۔ تذکرہ شیخ الاسلام بہاءالدّین زکریّا ملتانی قدس سرّہٗ

[2] ۔ تذکرہ شاہ رُکنِ عالم ملتانی قدس سرّہٗ

Marfat.com

# صوفیہ کا جہادِ اکبر

جو لوگ صوفیاء کو حجرہ نشین اور دنیا پر بوجھ خیال کرتے ہیں۔ یہ ان کی صوفیاء کے حالات سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ واقعات شاہد اور تاریخ گواہ ہے۔ کہ جب کبھی دُنیا کو صوفیاء کے خدمات کی ضرورت پڑی ہے یہ حجروں سے پارے کی طرح اُچھل پڑے ہیں۔ اور انہوں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ کہ چشم فلک آج تک حیران ہے شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ الرحمۃ حجرہ نشین بزرگ تھے۔ مگر جب انہیں علم ہوا کہ خوارزم شاہ بغداد پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو آپ اُس کے دربار میں گئے۔ اور اُسے اس ارادے سے باز رکھا۔

شیخ الشیوخ کے خلیفۂ اعظم حضرت زکریّا ملتانی قدس سرّہٗ کو جب اطلاع ملی۔ کہ مغلوں کے لشکر نے مُلتان کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اور کشت و خون ہونے والا ہے تو آپ نے اپنے ذاتی خزانہ سے ایک لاکھ اشرفی مغل حملہ آور کو ادا کر کے اہلِ ملتان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہونے سے بچا لیا۔

حضرت قطب الاقطاب شاہ رُکنِ عالم ملتانی حجرے میں معتکف تھے۔ دفعتہً سلطان محمد تغلق نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ شیخ کو اطلاع ہوئی تو آپ ننگے پاؤں اور ننگے سر شہنشاہ کے دربار میں پہنچے۔ اور اُس کی خون آشام تلوار کے قبضے کو تھام کر فرمایا۔

"از خُدائے بے نیاز تبرس و از خونِ ناحق دست بکش!"

قہرمان سلطان کی شمشیر بُراں نیام میں چلی گئی۔ اور قتلِ عام موقوف ہو گیا۔ عصامی اس

دور کا مشہور مؤرخ جو اس خونین ہنگامہ کے وقت زندہ موجود تھا۔ حضرت قطب الاقطاب کے اس دلیرانہ اقدام کو سراہتے ہوئے لکھتا ہے ۔

ابو الفتح شیخ زماں رکنِ دیں ، مگر بُد دراں ہفتہ عزلت گزیں
چو بشنید در شہر طوفانِ خوں ، برہنہ سروپائے آمد بروں
کشادہ زبانِ شفاعت گری ، ہمے گفت شاہا جہاں پروری
بسے خوں فشاندی دریں بوم و بر ، زتیغت گرفتہ جہاں خونِ تر
براہل گنہ نزدِ اہلِ صفا ، پسندیدہ تر ہست عفو از جزا
کنوں دست دار از سیاست گری ، چو شُد نوبتِ عفو و رحم آوری
چو بشنید آں شاہِ آفاق گیر ، شُد از شیخِ مشفق شفاعت پذیر
بکبیرِ نکو نام راگفت شاہ ، کہ دارند دستے زاہل گناہ

بسر زند بندِ اسیراں تمام
گذارند مرغانِ عاجز زِ دام

## سلہٹ کی پکار

سلہٹ (مشرقی پاکستان) جس کا اصل نام سری ہٹ تھا اس میں برہان نام ایک درویش رہتا تھا۔ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اس نے خوشی میں گائے ذبح کی۔ راجے کو پتہ چلا تو اس نے درویش کے لڑکے کو قتل کرادیا۔ اور اس کا دایاں ہاتھ کٹوا دیا۔ برہان الدین چیختا چلاتا سلطان سکندر کے دربار میں پہنچا۔ اور راجہ کے مظالم بیان کر کے طالب امداد ہوا۔ سلطان نے راجہ پر حملہ کیا۔ مگر ناکام رہا۔ اوچ کے سہروردی درویش سید احمد کبیر علیہ الرحمتہ کو کشف کے ذریعے اس واقعے کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے اپنے بھانجے سید جلال رح کو چھ سو درویشوں

کے ہمراہ سلطان سکندر کی امداد کے لیئے روانہ کیا۔ جن کی مدد سے سلطان نے راجہ گوڑ گوبند پر فتح پائی۔ اور مفتوحہ علاقہ سہروردی مشائخ کے حوالے کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں مسلم اکثریت انہی درویشوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے تو سر جادو ناتھ سرکار کی تاریخ ہند اٹھا کر دیکھ لے [1]

## دشمن بھاگ گیا

سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے لشکر کو چیتوڑ کی مہم پر روانہ کیا۔ مگر اس کے ایک ہفتہ بعد دہلی پر چنگیزیوں نے حملہ کر دیا۔ سلطان نے گھبرا کر محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں آدمی روانہ کیا۔ کہ دہلی کے بچاؤ کا خود انتظام کیجیئے۔ میرے پاس اس طوفان کو روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے حضرت محبوب الٰہیؒ نے سلطان کو تسلی دی اور فرمایا کہ :۔

"گھبراؤ نہیں۔ دہلی کی خیر ہے۔ یہ لشکر کل یہاں نہیں ہوگا!"

اپنے خادم اقبالؒ کو ایک رومال دے کر چنگیزیوں کے لشکر میں روانہ کیا۔ رومال کو سپہ سالار نے آنکھوں سے مس کیا ہی تھا کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔ اور طرفتہ العین میں وہ اور اس کا لشکر دہلی سے بھاگ گیا [2] عصامی حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کتنی عقیدت سے کرتا ہے۔

بہر ملک اگرچہ امیرے بود ، ولے در پناہ فقیرے بود
امیراں بہ کشور اگر سر ترند ، فقیراں بلا نوش کشور بوند

---

[1] ۔ تاریخ بنگالہ مرتبہ جادو ناتھ سرکار۔ جلد دوم صفحہ ۶۸ تا ۷۰۔

[2] ۔ تذکرہ قطب الاقطاب شاہ رکن عالم ملتانی علیہ الرحمتہ صفحہ ۲۲۲۔

Marfat.com

گر او تاد نبود بہ روئے زمین ، نماند بہ پا خیمۂ ہفتمین

---

نظام الحق آں پیرِ ثابت قدم ، ملاذِ ملوک و پناہِ اُمم
محمدؐ کہ شد خاتم اولیاء ، چو ختم ہمہ انبیاء مصطفاء
زخاک درش خسروانِ تاجدار ، سرِ حاسدانش شدہ تاج دار
چہ گوید کسے وصفِ آں آستاں ، چہ داند زمیں درجۂ آسماں
نداند کسے قدر او جز خدا ، بود آگہ از رہرواں راہنما
خدا را یکے بود از دوستاں
مقرر بدو ملکِ ہندوستاں

---

یہ دیوبند مالا کی کہانیاں نہیں، حقائق ہیں جنہیں مؤرخین نے بڑے اہتمام کے اپنی تاریخوں میں درج کیا ہے۔ اب ایک طبقہ محسوس کر رہا ہے کہ مؤرخین سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایسے بعید از قیاس افسانے اپنی کتابوں میں شامل کر لیئے۔ ان میں صرف ماہر القادری اور پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی جیسے صاحبِ علم ہی شامل نہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی بے تحاشا منہ کو آ رہے ہیں جن کے سینوں میں ضیاءِ علم کی ایک کرن بھی داخل نہیں ہوئی۔ میں اُن حضرات سے جنہوں نے تصوّف کے موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ اور صوفیاء کرام پر تلخ تنقید کی ہے۔ ہزار بار معافی مانگنے کے بعد یہ سوال کرتا ہوں کہ :۔

" انہوں نے مذہبی اور روحانی تاریخ کس حیثیت سے مدوّن کی ہے؟

---

53570

Marfat.com

"کیا وُہ عصرِ حاضر کے بہت بڑے عالم یا بہت بڑے صوفی ہیں"۔؟؟

"اگر وہ عالمِ دین ہونے کے مدعی ہیں۔ تو انہوں نے کس بوریہ نشین عالم کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔؟ کتنے سال اکتسابِ علم میں صرف کیئے ہیں۔؟ کن کن علمائے ربانیین سے تکمیلِ علم کی سندات حاصل کی ہیں۔؟ کس محدّث سے علم حاصل کیا ہے اور ان کی فقہی قابلیت کیا ہے۔؟؟"

اگر وہ تصوّف کے بحرِ محیط کے شناور ہونے کے مدعی ہیں۔ تو کیا وہ بتا سکتے ہیں۔ کہ وہ کس شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہیں۔ اور انہوں نے سلوک کی منازل طے کرنے میں اپنی زندگی کا کتنا حصّہ صرف کیا ہے۔؟ آخر وہ کون سا سلسلہ ہے۔ اور وہ کون سا پیرِ طریقت ہے۔ جس نے اپنے ارادت مند کو عہدِ ماضیہ کے علماء ومشائخ کی تحقیر وتذلیل کی اجازت دے رکھی ہے۔ کیونکہ تصوّف کی دُنیا میں کسی کی دلآزاری سب سے بڑا جُرم ہے۔ بقحوائے ؏

کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

اگر وہ عالمِ دین نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں۔ اور اگر وہ تصوّف کے "اسرار و رموز" سے واقف اور "راہ و رسم منزلہا" سے باخبر نہیں۔ تو پھر انہیں علمائے ربّانیین اور مشائخِ طریقت پر اس طرح سے برس پڑنے کا کیا حق ہے۔؟

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

## داناؤں کی نادانیاں

ہمیں ماہر القادری، پروفیسر خلیق نظامی اور اوران کی قبیل کے دوسرے ناقدین سے اتنا

شکوہ نہیں۔ جتنا شیخ محمدؐ اکرام صاحب مؤلف "آبِ کوثر" سے ہے۔ کیونکہ انہیں اگر تصوّف سے لگاؤ نہیں۔ تو عناد بھی نہیں۔ ان کے قلم سے بھی بعض ایسے فقرات نکل گئے ہیں۔ جن سے حقائق کی تکذیب ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"جب شرع کی تدوین و ترویج اور اہل شرع کی تنظیم قاضی عبدالوہاب اوران جیسے بزرگوں کے ہاتھ میں رہی ہو۔ تو ہمیں اس بات پر تعجّب نہ کرنا چاہیئے۔ کہ اسلامی حکومت کی سات آٹھ صدیوں میں ایک بھی صاحب اجتہاد وفقیہہ ہندوستان میں پیدا نہ ہُوا۔ جو بزرگ شیخ عبدالحقؒ کی طرح قابل، سمجھدار اور اسلامی مذہب اور شریعت کی گہرائیاں سمجھنے والے ہوتے۔ یا مجدّد الف ثانیؒ کی طرح اسلام کا درد اوراعلیٰ درجے کی اخلاقی جرأت رکھتے۔! وہ قاضی یا مفتی بننے سے کوسوں بھاگتے تھے۔ شریعت کی عام ترویج جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی۔ وُہ زیادہ سے زیادہ اسی کے اہل تھے۔ کہ فقہ کی کتابیں دیکھ کر حرام حلال کے مسئلے بتا دیں۔ کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی۔ کہ مُلکی ضروریات کا خیال کرکے اور قوم کی بہبودی کو مدّنظر رکھتے ہوئے شرع اور فقہ کی تدوین ان اصولوں پر کرے۔ جن سے اسلامی حکومت دیرپا اور مستحکم ہو۔ جن لوگوں میں شریعت رائج ہے۔ اُن کے آرام وفلاح کا انتظام ہو۔ قوم کی اصلاح اور ترقی اس طرح ہو کہ وُہ دُنیا کی دُوسری قوموں سے آگے بڑھی رہے۔"

اکرام صاحب کی اس عبارت میں ایسی کوئی پیچیدگی نہیں۔ کہ اس کا نفسِ مضمون سمجھ میں نہ

نہ آ سکے۔ انہوں نے صاف دعویٰ کیا ہے کہ پاک وہند کی اسلامی سلطنت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی جیسا ایک فقیہہ اور مجتہد بھی پیدا نہیں کر سکی جو علماء منظرِ عام پر آئے وہ اسلامی دَور اور اخلاقی جرأت سے عاری تھے۔ وُہ صرف اتنی استعداد رکھتے تھے۔ کہ شرعی کتب کی ورق گردانی کر کے لوگوں کو حلال حرام کے مسائل بتادیں۔ وہ قاضی اور مفتی بننے سے کوسوں دُور بھاگتے تھے،،

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ کے فضل و کمال کا کیا کہنا۔ یقیناً وہ آسمانِ علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ لیکن اسی زمانے میں ایسے ایسے باکمال درویش بھی موجود تھے۔ جن کی غلامی پر ان بزرگوں کو بجا طور پر ناز تھا حضرت خواجہ باقی باللہ کس پایہ کے بزرگ تھے اور ان کے ارباب صحبت کا علمی وروحانی مقام کیا تھا۔ وہ خود حضرت مجدد الف ثانیؒ سے سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

" ما چہار کس بودیم درملازمت حضرت خواجہؒ خود کہ بیش مردم درمیان سائر یاران امتیازے داشتیم۔ و ہر کدام مارا نسبت بحضرت خواجہ قدس سرہٗ اعتقاد علیحدہ ومعاملۂ جُدا بود۔ ایں فقیر بہ یقین مے دانست کہ مثل ایں صحبت اجتماع و مانند آں تربیت وارشاد بعد از زمانِ سرورعلیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات ہرگز بوجود نیامدہ است وشکر ایں نعمت بجا مے باید آورد کہ اگرچہ بشرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام مشرّف نشدیم بارے از سعادت ایں صحبت محروم نماندیم [1]"

[1] مبداء و معاد۔

Marfat.com

یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ اور اُن کے ارادتمندوں نے اپنے علم وعمل اور تزکیۂ نفس سے جو پاکیزہ ماحول پیدا کر دیا تھا۔ عہدِ رسالت روحی فداہٗ کے بعد ایسا مقدس اجتماع وجود میں نہیں آیا۔

حضرت مجددؒ اس امر پر فخر کرتے ہیں۔ کہ اگرچہ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلّم نصیب نہیں ہوا۔ تاہم تشکر ہے۔ کہ اس صحبت کی سعادت سے تو محروم نہیں رہا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا واقعی عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے خواجہ باقی باللہ تک ایسی مزّکی مجلس منظرِ عام پر نہیں آئی۔؟ آپ خلفائے راشدین کے زمانہ کو کیا کریں گے۔ حضرت علیؓ کی بابرکت مجلس، جس میں عبداللہ بن مسعودؓ عمار بن یاسرؓ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت مالکؓ بن انسؓ جیسے اکابر صحابہ مل بیٹھتے تھے اور قرآن کے اسرار و معارف پر خطبے ہوا کرتے تھے۔ پھر امام اعظمؒ اور اُن کے یاران وصاحبین کے اجتماع کا تصور فرمالیں۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، عبداللہ بن مبارکؒ۔ بایزید بسطامیؒ۔ جنید بغدادیؒ اور خواجہ عثمان ہارونیؒ کی صحبتوں کا خیال کیجیئے۔ جن کی ایک ایک نشست ہزار ہا گم گشتگان بادیۂ ضلالت کے لیئے صراط المستقیم کا موجب بنتی تھی۔ حضرت غوث الاعظم سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور آپ کے نامور خلفاء کی پاکیزہ صحبتیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اجمیری اور اُن کے خواجہ قطب صاحبؒ، فرید الدّین گنج شکرؒ۔ جمال الدین ہانسویؒ اور خواجہ حسام الدّینؒ جیسے یارانِ پاکباز کے پاکیزہ اجتماعات شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ۔ لال شہباز قلندرؒ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ۔ خواجہ احمد معشوقؒ۔ سیّد جلال بخاریؒ، صدرالدّین عارفؒ علاّمہ قطب الدین کاشانیؒ کی قال اللہ وقال الرسولؐ سے دلوں کو گرمانے والی روحانی

Marfat.com

مجلسیں حضرت باقی باللہؒ کے حلقۂ احباب سے کیا کم تھیں۔؟ لیکن مجدد صاحبؒ کا ارشاد ہے۔ اسے کیا کریں۔ آخر ہمیں یہی توجیہہ کرنا پڑے گی۔ کہ خواجہ باقی باللہؒ فنا فی الرسولؐ کے مرتبہ جلیلہ پر فائز تھے۔ اس لیئے حضرت مجددصاحبؒ کو ان میں رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو نظر آیا۔ اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے۔ کہ:۔

"مثل ایں صحبتِ اجتماع و مانند تربیت وارشاد بعد از زمان سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات ہرگز بوجود نیامدہ است"

"الحق" مرشد کا مرتبہ مرید سے کہیں بلند تھا۔ کیونکہ جب مجدد صاحبؒ نے "وحدت الوجود" کے تاثرات کے زیر اثر یہ رباعی لکھی ؎

اے دریغا کیں شریعت ملّتِ آبائی است
ملّتِ ما کافری و ملّت ترسائی است
کفر و ایماں ہر دو زلف و روئے آں زیبائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

تو آپ نے فوراً ٹوکا اور لکھا:۔

"وہ ملحدانہ رباعی جو آپ نے لکھی ہے۔ بہت ہی بے سمجھی اور نادانی کا نتیجہ ہے۔ ایسی رباعی کہنے والا دربارِ ایزدی میں ہرگز ہرگز مقبول نہیں ہوسکتا۔ ادب کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور سب سے بڑا غیور ہے۔"

یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ وہ بزرگوار جنہوں نے سرہند کے سید احمدؒ کو مجددیت کے مقام پر فائز کیا۔ روحانی تاریخ میں "سید احمدؒ" سے کہیں زیادہ بلند مقام رکھتے تھے۔

Marfat.com

# سیّد جمال الدّین موسیٰ گیلانی علیہ الرحمۃ کا مقام

اسی طرح شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ کے علوّے کمال کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور شخصیّت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے۔ جس کا ذکر حضرت محدّثؒ نے اس طرح سے کیا ہے:-

"حضرت غوث صمدانی قدس سرّہٗ کا لطف ہمیشہ ظاہر و باطن میرے شامل حال رہا۔ چونکہ میرا والد اس بارگاہِ عالی کے دروازے کی خاک تھا۔ اس لیے مجھے بارہا تاکید فرمائی۔ کہ نسبت و ارادت و یقین آں جناب سے مضبوط و مربوط کروں۔ لیکن افسوس کہ عمر کا اکثر حصّہ مردِ کامل کی تلاش میں فنا ہو گیا۔ جس طرف قدم رکھا محروم رہا۔ کوئی ایسا عالی ہمّت صاحب کرامت نظر میں نہ آیا۔ کہ جس سے اطمینانِ قلبی حاصل ہوتا۔ میرا یہ ارادہ پختہ ہو چکا تھا۔ کہ واہب العطایا کوئی ایسا شہبازِ طریقت عطا کرے جسے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی اور جسمانی دونوں تقرب حاصل ہوں۔ ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا جو مطلب اور مقصد ہے۔ پوری کامیابی کے ساتھ حاصل ہو۔ اگر ایسا مردِ کامل میسّر آ گیا تو ہاتھ دوں گا۔ اور پاؤں پکڑ لوں گا۔ زندگی بھر اُس کی خاکِ پا کو سُرمہ بناؤں گا۔ اگر دَم بھی نکلے گا۔ تو اس کے قدموں کے ہی نیچے۔ اسی آرزو میں ملک ملک کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔ کہ آخر میری صدقِ نیّت کا پودا بار آور ہوا۔ اور میرے سر پر ایک ایسا عیسیٰ نفس آ پہنچا۔ کہ جس کا ہر نفس آسمانِ معرفت کا مائدہ نازل ــــ اور اس کا ہر کرشمہ عید و سرورِ اواخر و اوائل

تھا۔

—— موسیٰ مقام کہ جس کا شعشانِ جمال شجرِ وحدت سے طالع اور نور اس کا حقیقتِ طور سے لامع تھا۔

—— خلیل مثال کہ اس کا چہرۂ زیبا بوستانِ خُلّت اور گلستانِ دین وملّت تھا

مصطفےٰ اجمال کہ اس کا دہن نمکدانِ خوانِ انا املح اور اس کی زبان تبیانِ قرآن کہ انا افصح کی نقارہ زن تھی۔

—— مرتضیٰ کمال کہ اس کا سینہ بے کینہ باب مدینۂ علم و فتوح اور اس کا دل ابواب اسرار کشفِ فتوح۔

—— حسنؑ سیرت، وارثِ مرتبہ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم و نائب منصب بالمؤمنین رؤُف الرحیم۔

—— حسینؑ سیریت کہ مصدوق و یطہرکم تطہیرا کا اور مصداق اِلَّا المُوَدَّۃ فی القربیٰ کا۔

—— اوصاف میں زین العابدینؓ، امام الصّادقین، السیّد النقیؒ والتقیؒ والعلویؒ النعلیؒ المہدیؒ ہم نام کلیم اللہ۔ محبوب حبیب اللہ سے

احمدؐ خوئے کہ عالم بندۂ اوست
یوسفؑ روئے کہ ماہ شرمندۂ اوست
عیسیٰؑ نفس کہ جان و دل زندۂ اوست
موسیٰؑ کہ لقائے دوست خواہندۂ اوست

جس قدر مناقب و کلام حضرت کلیم اللہ کے حق میں وارد ہوئے اس پاکباز پر

Marfat.com

صادق اور اس کے حال پر موافق ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید قلب موسیٰؑ پر اس کو پیدا کیا ہے۔ یہ منقبت افزوں ہے۔ کہ یہ جگر گوشہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اگرچہ وہ مقتدائے اولیاء عالی مرتبت رسول اور پیغمبر ہے ؎

اے دیدہ بیا لقائے منظور بہ بیں
آں جبّۂ وآں جمال وآں نور بیں
در وادیٔ ایمن محبت بگذر!
موسیٰؑ و ہم درخت و ہم طور بہ بیں

یہ ذات ایسی حمیدہ صفات، جانشین حامدؒ اور وارث مقام محمود واقع ہوئی ہے۔ کہ اگر کوئی بڑا سے بڑا ثنا خواں ۔ ان کے محامد و محاسن کو شمار کرنا چاہیے۔ تو گنتے گنتے بے اختیار ہو کر کہہ اُٹھے۔ کہ یہ کام میرے حیطۂ اختیار سے باہر ہے الحاصل جب یہ آفتاب دین و دولت طلوع ہوا۔ تو میں نے یقین کر لیا کہ میرا طالع زوروں پر ہے۔ میں نے بمجرد اس کے کہ میری آنکھیں اُن کے نورِ جمال سے روشن، دل منور اور جان باغ و بہار ہو گئی۔ نظر پڑتے ہی دل بے قابو ہو گیا، اور پائے عزت پر بوسہ دے کر یوں عرض گذار ہوا ؎

مدتے بود کہ مشتاقِ لقایت بودم
لاجرم روئے ترا دیدم و از جا رفتم

اپنے مقصد کو خدمت اقدس میں عرض کرنے کے لیئے زبان کو حرکت دی، مگر وہ

لہ حضرت جمال الدین موسیٰ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد مخدوم سید حامد گنج بخش گیلانی کے صاحب سجادہ تھے۔

Marfat.com

توصفائی باطن سے میرا ظاہر باطن سب جانتے تھے۔ اور مقصد و مقصود سب سمجھے ہوئے تھے۔ میری سچی پیاس کی تحقیق و تفتیش کے امتحان کے مرحلہ پر فرمایا کہ :-

"اے تشنہ کام! ہم سب ایک دریا کی نہریں ہیں۔ اسی دُنیا میں اور بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ جو اپنے آپ کو اسی بحرِ بیکراں کی نہر خیال کرتے ہیں۔ اُن کے پاس جاکر تشنہ کامی دِکھا۔ اس کے بعد جس نہر کا پانی تجھے زیادہ شیریں معلوم ہو۔ اُسے نوشِ جان کر۔ اگر یہ نہ ہو سکے۔ یا نہ کر سکے۔ تو پھر خود بلا اعانت غیرے اسی سمندر کی طرف دَوڑ اور توجہ کر۔ جس طرف بُلائے یا جہاں پہنچائے بہتر ہوگا۔"

یہ سُن کر میری چیخ نِکل گئی۔ اور فریاد کی کہ :-

"ہائے میں تو سرابِ تخیّل کے چٹیل میدان میں حیران اور تحیّر کے کنارے پر ہراساں و سرگرداں کھڑا ہوں۔ مجھے بحر سے کیا قربت! کہ میری آواز وہاں تک پہنچے۔ اور میری ایسی قسمت کہاں! کہ وہ میری چیخ وپُکار پر کان دھرے۔ میں تو حضور کے قدموں تک پہنچا ہوں۔ جہاں چاہیں پہنچائیں۔ ورنہ میری کیا ہستی اور کیا بساط ہے۔ کہ معرفتِ الٰہی کا دم ماروں!"

فرمایا:-

"خبردار! نا اُمید نہ ہو۔ بالیقیں تو اس بحر سے متعارف ہے اور

Marfat.com

خصوصیت کے ساتھ۔ اگر بغرضِ محال تجھے شناسائی حاصل نہیں بھی تو کیا ہُوا۔ وہ بحرِ رحمت سب پر محیط ہے۔ مرکب ہو یا بسیط۔ اس کا فضل ہر شخص کے شامل حال ہے۔ خواہ ناقص ہو یا کامل۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ بندہ پکارے اور ملاءِ اعلیٰ سے "لبّیک یا عبدی" کی صدا نہ آئے۔"

ناچار حسبُ الارشاد آں وُلدِ سیّد الابرار اُٹھ کھڑا ہُوا۔ دِل مضطرب اور بیقرار تھا۔ کہ دیکھیئے کیا ہوتا ہے۔

رات کو توجہ بخدا کر کے سویا۔ نیند کیا تھی۔ بخت کی بیداری تھی۔ آنکھ لگتے ہی بشارت ہوئی۔ کہ بابِ مقصود یہی ہے۔ اور دُرِ مطلوب یہی۔

پس عنانِ اختیار ہاتھ سے جاتی رہی۔ بلاتوقف حاضر خدمت ہو کر اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں اور سر قدموں پر رکھ دیا۔ والحمد للہ ربّ العٰلمین۔

اخیر میں لکھتے ہیں کہ:۔ "یہ سعادت ۶ شوال ۹۸۵ھ کی صبح کو نصیب ہوئی۔"

یہ اخلاص اور یہ عقیدت ظاہر کرتی ہے کہ ایسے مُرید کے ذہن میں ایسے پیر کامل کی بیعت فسخ کرنے کا تصوّر تک نہیں آسکتا۔ مگر شیخ محمد اکرام صاحب نے شیخ کو شاہ ابوالمعالی اور خواجہ محمد باقی باللہ رحمہم اللہ کا مُرید ظاہر کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شاہ ابوالمعالی سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا تھا۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرت خواجہ باللہ سے بھی آپ کی بیعت تھی۔ مگر وہ پیرِ صحبت تھے۔ مگر آپ کے پیر طریقت حضرت مخدوم سیّد جمال الدّین موسیٰؒ تھے۔ اُنہی سے خرقہ حاصل کیا، اور ارشاد و ہدایت کی اجازت پائی مگر شیخ صاحب نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ

ہی جملہ اُمور ختم کر دیئے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"۱۹۵۹ سنہ میں خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی قدس سرّہٗ دہلی تشریف لائے۔ تو شیخ محدّثؒ نے اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ اور ارشاد و ہدایت کی اجازت حاصل کی [۱]"

کوئی نئی بات نہیں۔ اکثر مشائخ نے ایسا کیا ہے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرّہٗ بغداد تشریف لے گئے۔ تو شیخ حمادؒ کی خانقاہ میں ٹھہرے۔ اُن سے بیعت کی۔ اور وہ آپ کے پیرِ صُحبت بنے۔ کچھ عرصہ حضرت خواجہ خضرؒ کی ہدایت و مشورہ سے آپ نے شیخ ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرّہٗ سے بیعت فرمائی۔ اور وہ آپ کے پیر ارادت قرار پائے۔

شیخ بہاءالدّین جونپوری علیہ الرحمۃ مرشد کی تلاش میں تھے۔ اتّفاق سے شیخ حسین گجراتیؒ جون پور آئے ہوئے تھے۔ شیخ بہاءالدّین اُن کی خدمت میں پہنچے اور فیضان حاصل کیا۔ بعد ازاں اُنہی کے اشارہ سے آپ شیخ محمد عیسیٰ کے مُرید ہو گئے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو اُن کی ہی وصیت کے مطابق راجی سیّد حامد شاہ نے انہیں خرقہ پہنا کر اپنا خلیفہ بنایا [۲]

حضرت محدّث دہلویؒ کے تعلّقات اکثر مشائخ اور فقراء سے دوستانہ تھے۔ شاہ ابوالمعالیؒ اور خواجہ محمد باقی باللہؒ سے آپ کو زیادہ عقیدت اور محبّت تھی شیخ عبدالوہابؒ

---

۱۔ آبِ کوثر ص ۱۳۱ و رُودِ کوثر ص ۲۲۸۔

۲۔ اخبار الاخیار اردو ص ۳۴۸، ۳۴۹۔

Marfat.com

منقّی سے بھی اَرضِ پاک میں گہرا رابطہ رہا۔ لیکن آپ نے حضرت شیخ جمال الدّین موسیٰ گیلانی علیہ الرحمتہ کی بیعت فسخ کر کے ان میں سے کسی سے بیعت نہیں فرمائی۔

حضرت مخدوم سنہ ۱۰۱۱ھ میں شہید ہوئے۔ اُن کی زندگی میں کئی مرتبہ شیخ نے ملتان کا سفر کیا۔ اور جب پیر طریقت نے عالمِ آخرت کا سفر کیا۔ تو اُن کے صاحبزادے سیّد جان محمدؐ گیلانیؒ کو جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور بہت بڑے وَلی تھے۔ کو منّت سماجت کر کے اپنے ہمراہ دہلی لے آئے۔ اُن کا مقبرہ کوٹلہ فیروز شاہ کے قریب مرجعِ خلائق ہے۔ اور دہلی و آگرہ میں اُن کے ہزاروں مُرید پائے جاتے ہیں۔

بہر کیف خواجہ محمد باقی باللہؒ اور حضرت مخدوم سیّد جمال الدّین موسیٰ گیلانیؒ بڑے پائے کے درویش تھے۔ نیز اسی زمانے میں شاہ ابو المعالیؒ۔ شاہ داؤد کرمانی مخدوم سیّد شیر شاہ، سیّد طیب بلگرامی، حضرت محمدؐ غوثی شطاری۔ حضرت میاں میر۔ شیخ عزیز اللہ، شیخ سلیم چشتی، شیخ نظام الدّین انیٹھی وال، میر سیّد علاء الدین، شیخ عبدالواحد بلگرامی۔ میاں حاتم سنبھلی اور شیخ یعقوب کشمیری رحمہم اللہ علیہم جیسے بزرگ موجود تھے خدا معلوم شیخ صاحب کی اُن کے علم و فضل پر نظر کیوں نہیں پڑی۔

حضرت مجدّد الف ثانی اور محدث دہلوی رحمہم اللہ علیہم کو ایسے بادشاہوں کا زمانہ نصیب ہوا ہے۔ جن کا علمی پایہ بلند نہیں تھا۔ حضرت مجدّد علیہ الرحمتہ کا اکبر اور جہانگیر سے تصادم ہوا۔ اور حضرت شہرت کے منظرِ عام پر آ گئے۔ ورنہ اُن کی ذات والا صفات شہرت سے جتنی گریزاں تھی۔ وہ اُن کے مکتوبات سے ظاہر ہے۔

شیخ عبدالحق علیہ الرحمتہ کی تصانیف نے زمانے کی ضروریات کا ساتھ دیا اس لیئے

Marfat.com

نہ صرف اُنہیں قبولیتِ عامہ کی سند عطا ہوئی۔ بلکہ جہانگیر نے بھی اپنی توزک میں اُن کی علمی خدمات کو سراہا۔ اس لیئے اکرام صاحب کی یہ صریح زیادتی ہے۔ کہ انہیں مغل دَور میں شیخ محدث دہلویؒ اور حضرت مجددؒ کے سوا کوئی جیّد عالم اور شیخ نظر ہی نہیں آتا۔ حالانکہ اس دَور میں صدہا ایسے مشائخ گذرے ہیں۔ جن پر دُنیائے تصوّف بجاطور پر فخر کرتی ہے۔ اور جیّد علماء کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا۔

## عالمگیری عہد کے مُصنّفین

اکرام صاحب نے حضرت محی الدّین اورنگ زیب عالمگیر اور شاہ جہاں کے دَور کو محدّثین کے وجود سے خالی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ :۔

" شاہ جہاں اور عالمگیر کی علم پروری حضرات علماء کو قضا اور افتاء کی مندوں پر لے گئی۔ وہ درس حدیث کا سلسلہ پوری طرح جاری نہ رکھ سکے۔ اور ملک میں بہت سے علماء ایسے پیدا نہ ہوئے۔ جو طلباء کو درسِ حدیث دے سکتے۔

حضرت محی الدّین اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ خود اتنے بلند پایہ عالم تھے۔ کہ بڑے بڑے علماء کو مباحثہ کے دوران پسینہ آجاتا تھا۔ یہ شریعت کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ علماء اور مشائخ فارغ البالی اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ شہنشاہ کے زہد و ورع کا یہ عالم تھا۔ کہ ٹوپیاں سی کر اور قرآن لکھ کر اپنا گذارہ کرتا تھا۔ خرچ کے لیئے خزانہ عامرہ سے ایک پائی تک لینا گوارا نہ تھا چنانچہ جب اُس نے عالمِ فانی سے عالمِ باقی کو انتقال کیا۔ تو اُس نے وصیّت کی کہ آٹھ سو پانچ روپے جو میں نے قرآن شریف لکھ کر کمائے ہیں۔ وہ فقراء میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور ساڑھے چار روپے جو ٹوپیاں سی کر جمع کیئے ہیں۔

Marfat.com

ان سے میری تکفین وتدفین کے مصارف پورے کیئے جائیں۔ اکرام صاحب نے قرآن نویسی کی اُجرت تین سو پانچ روپے لکھی ہے۔ لیکن مولانا ذکاء اللہ خان صاحب کی تحقیق یہی ہے جو میں نے اوپر درج کی ہے۔ نماز روزے کی پابندی کی یہ کیفیت تھی۔ کہ ۹۱ برس کی عمر میں جب اس نے آخرت کا سفر اختیار کیا تو ضُعف نقاہت اور طویل بیماری کے باوجود اس نے آخری نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی۔ سنِ شعور سے عالمِ وفات تک اس نے کوئی روزہ قضا نہیں کیا تھا۔ جہاد کی تڑپ اور شہادت کی خواہش میں اس کی ساری عمر میدانِ جنگ کی نذر ہو گئی۔ مرا تو پایۂ تخت ہزاروں کوسوں دُور تھا۔ یہاں تک کہ لاش کو بھی وطن کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ ایسے بادشاہ سے کوئی عالم اور کوئی درویش کس بات پر متصادم ہوتا۔ اسلامی دستور جس کی ضرورت شدید طور پر لاحق ہو رہی تھی۔ وہ بادشاہ نے خود علماء کی بہت بڑی جماعت کی مدد سے تیار کرالیا تھا۔ اس کے پچاس سالہ دَور میں کوئی ایسا کام بھی سُننے میں نہیں آیا۔ جو شریعت کے خلاف ہو۔ پھر حیرانی ہے کہ اکرام صاحب کو اس دَور میں نہ تو شیخ عبدالحق سا کوئی عالم دِکھائی دیتا ہے۔ اور نہ حضرت مجدد علیہ الرحمتہ سا شیخِ طریقت۔ آخر وہ کون سا پیمانہ ہے۔ جس سے اکرام صاحب نے اورنگ زیبی علماء اور مشائخ کی قابلیتوں کو جانچا ہے۔ اکرام صاحب کو اس دَور کے جملہ علماء ومشائخ، مدرس اور فقیہہ ہی نظر آتے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن کیا شیخ عبدالحق صاحب محدثؒ اور حضرت مجدد علیہ الرحمتہ مدرس اور فقیہہ نہ تھے؟ اگر شیخ نے ضروریاتِ زمانہ کے پیشِ نظر چند علمی اور تاریخی کتب مرتب کر ڈالیں۔ تو کیا

Marfat.com

عالمگیری دور میں ایسی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ ہم ذیل میں چند علماء اور اُن کی تصانیف کا گوشوارہ دیتے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ اس دَور میں علم و اَدب اور اسلام کی کیا کچھ خدمت ہوئی۔ اور کیا ان علماء اور مشائخ کا علمی اور روحانی پایہ اکبری دَور کے علماء سے کم تھا۔ ؟

۱۔ امیر محمد زاہد مصنف شرح مواقف، شرح تہذیب دوانی۔
حاشیہ رسالہ تصور و تصدیق

۲۔ شاہ عبدالرحیمؒ یعنی شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار۔

۳۔ قاضی نظامؒ۔ جس کی ادارت میں فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوا۔

۴۔ مُلّا عبداللہؒ۔ حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے نامور فرزند۔ جنہیں ہندوستان کی شیخ الاسلامی کے لیئے اورنگ زیب نے کئی بار مجبور کیا۔ یہ علم وفضل میں اپنے والد کے صحیح جانشین تھے۔

۵۔ مولانا نورالدین احمد آبادی المتوفی ۱۱۰۰ھ تفسیر نورانی۔ نور القاری شرحات مُلّا جامی۔ فصوص خواستی۔ شرح مواقف۔ شرح مقاصد، شرح مطالعہ۔ تلویح۔ عضدی مطوّل۔ وقایہ۔

۶۔ مُلّا احمد جیون المتوفی ۱۱۳۰ھ مصنف تفسیر احمدی، نورالانوار (اورنگ زیب کا فاضل اُستاد)

۷۔ حافظ امان اللہ بنارسی المتوفی ۱۱۳۳ھ۔ علم فقہ اور علم کلام پر آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔

۸۔ مُلّا قطب الدین سہالویؒ۔ آپ نے شرح عقائد علامہ دوانی پر حاشیہ لکھا۔

Marfat.com

۹۔ مُلّا محمد سعید سہالویؒ۔

۱۰۔ مُلّا نظام الدّین، مُلّا قطب الدّینؒ کے نامور فرزند۔ درسِ نظامیہ کے بانی۔ مُصنّف شرح ہدایۃ الحکمت، شرح مسلّم الثبوت، حاشیہ شمس بازغہ۔

۱۱۔ مُلّا کمال الدّین سہالویؒ۔ المتوفی ۱۱۷۵ھ

تصانیف:۔ عروۃ الوثقیٰ۔ حاشیہ کمالیہ۔ شرح عقائدِ جلالیہ۔ تعلیقات حاشیہ زاہدیہ۔

[بحوالہ ماثر الکرام ۳۰۲۔ ۳۰۳]

۱۲۔ قاضی مبارک گوپاموی۔ المتوفی ۱۱۶۲ھ۔ شارح سلم العلوم۔

[بحوالہ ارمغانِ یاور ۵۔ ۷]

۱۳۔ میر عبدالواحد بلگرامی المتوفی ۱۱۳۴ھ

تصانیف:۔ نکرستانِ خیال ۔ مفتاح التواریخ ۳۰۸)

۱۴:۔ مولانا علی اصغر قنوجی المتوفی ۱۱۴۰ھ

تصانیف:۔ اللطائف العلیہ فی معارف الالٰہیّہ۔ تبصرۃ المدارج (سلوک)
تفسیر ثواقب التنزیل۔ شرح فصوص الحکم۔ النفائس العلّیہ۔

[بحوالہ حدائق الحنیفہ ۴۳۸]

۱۵۔ حضرت علاّمہ عنایت اللہ قادری۔ المتوفی ۱۱۸۱ھ

تصانیف:۔ حاشیہ شرح قصایہ۔ شرح کنز الدقائق

[بحوالہ حدائق الحنیفہ ۴۳۹]

۱۶۔ حضرت علاّمہ محمد صدّیق لاہوری المتوفی ۱۱۹۲ھ

تصانیف:۔ سِلکُ الدّرر (غیر منقوط) سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم۔ مدار الاسلام

Marfat.com

فی علم الکلام۔ القول الحق۔ ورع التعسف۔ ہدم الطاغوت۔ شرح النفحات
تبیض الزرق۔ مزیل الاحزان۔ ہدیہ انام (بحوالہ حدائق ۴۵۱)

۱۷۔ حضرت شاہ محمد فاخر الہ آبادی۔ المتوفی ۱۱۶۴ھ
تصانیف:۔ قرۃ العینین۔ درۃ التحقیق۔ (بحوالہ کاشف الاستار)

۱۸۔ حضرت علامہ محمد اشرف علیہ الرحمۃ۔ المتوفی ۱۱۲۳ھ
تصانیف:۔ جواہر الحکم۔ علم قرأت۔ (بحوالہ حدائق ۴۳۴۔ ۴۳۵)

۱۹۔ خواجہ محمد اعظم ڈامری المتوفی ۱۱۸۵ھ
تصانیف:۔ تواریخ ڈامری۔ فیض مراد۔ اشجار الخلد۔ فوائد المشائخ۔
تجربۃ الطالبین۔ ثمرات الاشجار

۲۰۔ مولانا سراج الدین علی خاں اکبر آبادی المتوفی ۱۱۶۹ھ
تصانیف:۔ چراغِ ہدایت تنبیہہ الغافلین (بحوالہ نزہۃ الخواطر جلد ششم ص ۹۴)

۲۱۔ شیخ سعد اللہ سلونی المتوفی ۱۱۳۸ھ
تصانیف:۔ شرح ہدایت الحکمت۔ رسالہ کشف الحق، شرح مثنوی مولانا روم
تحفۃ الرسول (بحوالہ ماثر الکرام ۱۷۰۔ ۲۱۷)

۲۲۔ شاہ حمزہؒ۔ المتوفی ۱۱۹۸ھ
تصانیف:۔ کاشف الاستار

۲۳۔ مولانا حمد اللہ سندیلویؒ۔ المتوفی ۱۱۶۰ھ
تصانیف:۔ شرح تصدیقات۔ سلم العلوم۔ حاشیہ صدر۔ شرح زبدۃ الاصول
(تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۶۹)

Marfat.com

مُلّا قطب الدّین اور اُن کے فخرِ روزگار صاحبزادوں نے اپنی ساری زندگی قال اللہ وقال الرسولؐ میں بسر کردی تھی۔ "علمائے ہند" کا مصنّف آپ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"عمر عزیزش بشغل درس بسر بُرد۔ گوئی ریاست علمی بجوار لکھنو بر دختم شد وسلسلہ تلمذ اکثر علمائے ہند بر و منتہی مے شود"

۲۴ :- شیخ غلام نقشبند لکھنوی :- آپ نے علم تفسیر اور فنِ تصوّف پر بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

۲۵ :- سیّد عبدالجلیل بلگرامی۔ المتوفی ۱۱۳۴ھ

۲۶ :- قاضی محبّ اللہ بہاری۔ صدر اعلیٰ اُمورِ شرعیہ۔ مُصنّف مسلم الثبوت سلم العلوم افادات۔ جوہر فرد وغیرہ۔

۲۷ :- مُلّا محسن۔ المتوفی ۱۰۸۱ھ

۲۸ :- علّامہ محمد مصطفےٰ

۲۹ :- سیّد غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۰۰ھ

تصانیف عربی :- ادضوء الدراری۔ تسلیۃ الفواد۔ سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان

فارسی تصانیف :- ید بیضاء۔ سرو آزاد۔ خزانہ عامرہ۔ روضۃ الاولیاء۔ ماثر الکرام سند السادات۔ دیوانِ آزاد۔ مظہر البرکات۔ سبعہ سیارہ

۳۰ :- نواب مکرم خان اگرچہ بہت بڑے رئیس اور صوبیدار تھے لیکن بڑے پایہ کے

---

ا۔ نزہتہ الخواطر جلد ششم صفحہ ۴۰۴۔

عالم تھے۔ اُن کی سرپرستی میں کئی مدارس جاری تھے۔ اور وہ مشاہیر "علماءِ اُمتی کانبیائے بنی اسرائیل" کے صحیح مصداق تھے۔ ہندوستان کے ہر شہر اور قصبے میں اُن کے باکمال شاگرد تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ اسلامیہ پر لیکچر دیتے نظر آتے تھے۔ درس تدریس کا چرچا ہندوستان سے نکل کر مشکِ نافہ کی طرح اکنافِ عالم میں پھیل گیا تھا۔ خدا معلوم اکرام صاحب نے صفحہ ۵۵۲ پر یہ کیسے لکھ دیا ہے کہ:۔

"شاہ جہاں اور عالمگیر کی علم پروری حضرات علماء کو قضاء اور افتاء کی مسندوں پر لے گئی۔ وہ درس حدیث کا سلسلہ پوری طرح جاری نہ رکھ سکے۔ اور ملک میں بہت سے علماء ایسے پیدا نہ ہوئے جو طلباء کو درسِ حدیث دے سکتے"۔ حالانکہ صفحہ ۳۱۰ پر وہ خود ان الفاظ میں مدرسین اور فقہاء کی کثرت کا اعتراف کر چکے ہیں:۔

"البتہ مدرس اور فقیہہ بکثرت تھے اور ان میں بعض خاصے تھے"۔[1]

# عالمگیری دور کے باکمال مشائخ

عالمگیری مشائخ میں نواب موسیٰ پاک دین رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اگر حضرت مخدوم سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید علیہ الرحمۃ اکبری دربار میں اذان دے کر جماعت سے نماز ادا فرماتے تھے تو نواب موسیٰ پاک دینؒ بھی سیف بیانی اور حق گوئی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہم مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اورنگ زیب نے جب ملتان پہنچ کر داراشکوہ کی بابت سوال کیا کہ:۔

[1] آبِ کوثر صفحہ ۳۱۰

" دارا بے شکوہ کجاست۔!"

تو آپ نے معًا فرمایا:۔

" دارا باشکوہ آمدہ بود ولیکن بے دستوری رفت!!"[1]

شیخ الشیوخ محمد صادقؒ، شیخ محمد معصومؒ، شیخ محمد سعیدؒ، شیخ حافظ، سید عبد اللہ اکبر آبادی۔ شیخ آدم بنوریؒ۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی صاحب "سر الخواص" شرح فصوص عربی، شرح فصوص فارسی۔ مغالیط عامہ وغیرہ۔ شیخ عبد الاحد المعروف شاہ گلؒ۔ شیخ محمد رضاؒ، شاہ عبد الرزاق ہانسویؒ، سید محمد قنوجی اور شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ اپنے اپنے مقام پر شیخ الکل اور اقلیم معرفت کے تاجدار تھے۔ مؤخر الذکر کی مساعی جمیلہ سے بہادر شاہ نے عقائد باطلہ سے توبہ کر لی تھی۔ سید محمد قنوجی کا مرتبہ تصوف کی دنیا میں بہت بلند ہے۔ یہ فقراء بلا شبہ "باللیل رہبان اور بالنہار فرسان" کے مصداق تھے۔ اکرام صاحب نے حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے پوتے شیخ سیف الدین کا ذکر جس انداز سے کیا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ ان پر مشائخ کا فارغ البال ہونا گراں گذرتا ہے۔ روضتہ القیومیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت شیخ کے لیے سرہند میں دیبا کا ایک خیمہ جواہرات اور مروارید سے ٹکا ہوا نصب ہوتا جس کی چوبوں پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس خیمہ کے اندر ایک جڑاؤ کرسی رکھی جاتی۔ جس پر

[1] تذکرہ غوث الاعظمؒ از قاضی برخوردار علیہ الرحمتہ ملتانی۔

آنجناب جلوہ افروز ہوتے۔ اور جس کے گرد اگرد نقیب اور چوبدار ہاتھوں میں سنہری اور روپہلی عصا لیئے ہوئے کھڑے ہوتے۔ بادشاہ، شہزادے اور اُمراء حاضر خدمت ہو کر کھڑے رہتے۔ جب تک حکم نہ ہوتا۔ نہ بیٹھتے۔"[1]

محولہ بالا اقتباس کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"یہ تھے حالات جب دہلی کے ایک نامور عالم کے گھرانے میں ایک فرزند ارجمند تولّد ہوا۔ جس کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ ان حالات کی اصلاح میں ہاتھ پاؤں مارے اور اس اخلاقی اور روحانی انحطاط کا سدِّباب کرے۔"

اکرام صاحب کے نزدیک حضرت شیخ سیف الدین کا امیرانہ تمدّن اس سلسلے کا اخلاقی اور روحانی انحطاط ہے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ دولت کا اپنے پاس رکھنا جرم نہیں۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ دِل کو لگاؤ نہ ہو۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدّین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سلطان قطب الدّین مبارک شاہ نے لکھ بھیجا تھا کہ:۔

"حضرت کے اصطبل میں سونے کی میخوں سے گھوڑے باندھے جاتے ہیں۔ یہ اَمر درویشی کے خلاف ہے!"

آپ نے اُسی رقعے کی پشت پر یہ بہت مختصر مگر جامع جواب لکھوا دیا کہ:۔

"کجا انداختم در دِل، مگر انداختم در گل واسپان براو قر درہ می کنند"
"مَیں نے سونے کی میخیں اپنے دِل میں نہیں گاڑیں۔ مٹی میں گاڑی ہیں۔ جن پر گھوڑے پیشاب کرتے ہیں۔"

---

[1] روضۃ القیومیہ۔

Marfat.com

اسی طرح حضرت شیخ سیف الدّین رحمتہ اللہ علیہ جن کے امیرانہ تمدّن کا جناب اکرام صاحب نے ذکر فرمایا ہے۔ اُن کی پرائیویٹ لائف کا یہ عالم تھا۔کہ آپ اکثر روزہ سے رہتے تھے اور سوائے ململ کے چولہ، نیلے تہمد اور قادری ٹوپی کے اور کوئی لباس مرغوب نہیں تھا۔ یہ کیفیّت صرف ان کے دربار کی تھی۔اس میں شہزادگان کی تربیّت کے سوا اور کوئی غرض مضمر نہ تھی۔ نقلی درویشوں کے ساتھ اورنگ زیب جو سلوک کرتا تھا۔ وہ کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ جب شیخ سیف الدّین بادشاہ کے لشکر میں امر بالمعروف کی بجا آوری کے لیئے آئے تو شہنشاہ نے اُن کی بڑی عزت کی۔ اور اُن کے ارشادات کو بڑی توجہ اور ادب سے سُنا خود اکرام صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۱۹ پر اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ اس خاندان کی روحانی بلندی کا اعتراف اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ اورنگ زیب سا متقی شہنشاہ ان الفاظ میں اِن قدسی نفوس کا ذِکر کرتا ہے:۔

"پسران شیخ مغفور واقف اسرار حقائق و علوم شیخ احمد سرہندی کہ ہر یک در فضائل و کمالات صوری و معنوی خلف الصدق آں سالک مسالک طریقت و عرفان است [1]"

حالانکہ جب بھی باکرامت شہنشاہ اپنے فرزندوں اور ماتحتوں کو رقعات لکھتا ہے۔ تو اس میں خدا ترس اور امانت دار آدمیوں کی کمیابی کا شکوہ کرتا ہے اور آہِ سرد کھینچ کر لکھتا ہے:۔

"حالا یک کس برائے دیوانیٔ بنگالہ کہ بہ حلیہ راستی و کاردانی آراستہ باشد مے خواہم یافتہ نمے شود۔ از نایابیٔ آدم کار آہ۔ آہ۔"

؎ آنچہ بر جستیم و کم دیدیم و بسیار است و نیست
نیست جز آدم کہ بسیار است و نیست [1]

بادشاہ کی اس تحریر سے بھی اکرام صاحب نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سے اتفاق نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ اس عبارت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں لیا جا سکتا۔ کہ عالمگیری دور میں راست باز اور امانت دار آدمیوں کا قحط تھا۔ یہ بات ہرگز نہیں۔ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے۔ کہ شہنشاہ کا معیارِ اخلاق اتنا بلند تھا۔ اور وہ ایسے پیمانے سے افرادِ رعایا کے اخلاق کی جانچ کرنا چاہتا تھا۔ جس پر سوائے صحابہ کے کسی اور کا پورا اترنا ممکن نہ تھا۔ اس شہنشاہ نے جس طرح فقیرانہ زندگی بسر کی۔ اس سے دنیا بخوبی واقف ہے۔ لیکن اپنے بارے میں اس نے لمحاتِ آخر میں جو فقرات کہے ہیں ذرا ان پر بھی توجہ فرمائیے۔ ایک شہزادے کو خط میں لکھتے ہیں:۔

"ہیچ با خود نیاوردم و ثمرۂ گناہان ہمراہ مے برم نمے دانم کہ در چہ عقوبت گرفتار خواہم شد۔"

شہزادہ کام بخش کے رقعہ میں لکھتے ہیں:۔

"عذاب و گناہ ہر چہ کردم۔ ثمرۂ آں با خود مے برم۔ عجب قدرت است کہ آدم تنہا دمے باین قافلہ ہر جا نظر کنم غیر خدا بہ نظر نمے آید ـــــ از خود خبرم نیست۔ گناہ بسیار کردم ـــ نمے دانم بچہ عذاب گرفتار خواہم شد۔"

کیسی عقوبت اور کیسا عذاب، تمام اسلامی دنیا کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ اگر قدرت نے اورنگ زیب جیسے درویش صفت تاجدار پر بھی کسی قسم کی عقوبت فرمائی۔ تو پھر عامۃ الناس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ آئیے اب ذرا آپ کو قرنِ اول کی جھلک دکھائیں۔

[1] رقعات عالمگیری۔

Marfat.com

# عہدِ فاروقیؓ کے دو گورنر

ہم یہاں عہدِ نبویؐ کے نہیں بلکہ دورِ فاروقیؓ کے دو گورنر پیش کرتے ہیں ۔ اندازہ لگائیے ۔ کہ پچھلے تیرہ سو سال میں کسی اولیاء اللہ نے جو اتنے بڑے اختیارات کا مالک ہو ۔ زہد ورع کی ایسی مثال پیش کی ہے ۔ عدم قدرت کی حالت میں پرہیزگاری کچھ زیادہ تعریف کی مستحق نہیں ہے اسی لیئے کسی حق گو نے کہا ہے ؎

اے بضرورت شدا ر زاہداں　،　زُہد ترا من نشوم معتقد
بادہ نداری نخوری زیں سبب　،　اِنَّ مِنَ الْعِصْمَتِ اَنْ لَا تَجِدْ

اس مضمون کو اردو کے ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

اجی شیخ جی زر سے ہے مے کشی
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

جب ملک عجم فتح ہو گیا ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو اس ملک کا گورنر مقرر کر کے روانہ فرمایا ۔ یہ بزرگوار ایک اونٹ پر سوار ہو کر اپنے ایک حبشی غلام کے ہمراہ اس شہر کے دروازے پر پہنچے ۔ اس علاقے کے لوگ جو استقبال کو آئے تھے ۔ اس غلام سے دریافت کرنے لگے ۔ کہ ہمارے گورنر صاحب کب آئیں گے ۔

غلام نے کہا ۔ آپ کے گورنر یہی تو ہیں ۔ جو اونٹ پر سوار ہیں ۔

لوگ فوراً سجدے میں گر گئے ۔

گورنر صاحب نے دیکھا ۔ تو وہ بھی اونٹ سے کود کر سجدے میں گر گئے ۔

Marfat.com

لوگوں نے عرض کیا۔ کہ آپ کس کو سجدہ کر رہے ہیں۔

فرمایا۔ "پروردگارِ عالم کو۔"

پھر آپ نے حیرت و استعجاب کے ملے جلے جذبات میں دریافت کیا۔ کہ تم لوگ کسے سجدہ کر رہے تھے۔؟

جواب دیا کہ آپ کو۔ کیونکہ آپ ہمارے حاکم ہیں۔

آپ رو پڑے۔ اور فرمایا کہ:۔

"مجھے ایسی توقع نہ تھی۔ کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ مجھے ایسے شہر میں بھیجیں گے۔ جہاں کے ناواقف باشندے مجھے خدا بنا لیں گے۔!"

چنانچہ آپ یہ کہہ کر واپس مدینہ منورہ کو لوٹ آئے۔ حضرت عمرؓ کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا۔ تو انہوں نے انصار میں سے ۲ دو اور صحابیوں کو حاکم بنا کر بھیجا۔ اور لوگوں کے نام حکم تحریر کیا کہ:۔

"آتش پرستوں کی رسمیں چھوڑ دو۔ خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔!"

جب یہ دونوں صحابی شہر کے قریب پہنچے۔ تو انہوں نے پیغام بھیجا۔ کہ کوئی شخص ہمارے استقبال کو نہ آئے۔ غرض یہ دونوں حکام شہر میں داخل ہوئے۔ اور انہیں ایک عظیم الشان محل میں ٹھہرایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دستر خوان بچھایا گیا۔ ابھی ایک کھانے کے ۲ دو لقمے بھی نہ کھائے تھے۔ کہ یہ رکابیاں اٹھالی گئیں۔ اور ان کی جگہ فوراً دوسری طرح کا کھانا چن دیا گیا۔

دونوں حکام یہ حالت دیکھ کر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے گھورنے

Marfat.com

لگے۔ اور کہا کہ یہ لوگ ہمیں لذاتِ دُنیا میں غرق کر دیں گے۔ چلو یہاں سے بھاگ چلیں۔ ہمارے لیئے وہی فقر و فاقہ کی زندگی بہتر ہے!

چنانچہ یہ دونوں حکام بھی واپس مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔ اور گورنری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ان کے بعد حضرت عمرؓ نے یسارؓ نامی ایک صحابی کو حاکم بنا کر بھیجا۔ اہلِ شہر نے ان کا استقبال کیا۔ اونٹ کے لیئے چارہ لائے۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارا اونٹ تمہارے چارے کا محتاج نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بزرگ مدّتوں اس ملک پر حکومت کرتے رہے۔ مگر آپ نے کسی سے کچھ قبول نہ کیا[1]

## حذیفتہ الیمانیؓ

حضرت عمرؓ نے حذیفتہ الیمانیؓ کو یمن کا حاکم مقرر کیا۔ آپ ایک کہنہ سی گلیم پہن کر لاغر سے خچر پر سوار ہوئے۔ اور اسی طرح یمن جا پہنچے۔ اہلِ یمن نے آپ کا بڑا شاندار استقبال کیا۔ اور رہائش کے لیئے بڑے بڑے محل دکھائے۔ مگر آپ نے ایک مختصر سے مکان کو اپنی رہائش کے لیئے پسند کیا۔ اور فرمایا۔ کہ میرے خچر کو حلال کا چارہ ڈالتے رہنا۔ آپ ایک طویل عرصہ تک یمن کی گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ایک موقع پر جب کسی سرکاری کام کے لیے دارالحکومت مدینہ منوّرہ کو تشریف لے گئے۔ تو حضرت عمرؓ ان کے استقبال کو نکلے۔ اور یہ دیکھنے کی غرض سے کہ یمن کی طویل حکومت نے ان کے مزاج پر تو اثر نہیں ڈالا۔ آپ ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت حذیفہؓ کی سواری قریب آئی۔ دیکھا کہ وہی کہنہ گلیم پہنے اسی خچر پر سوار ہیں تو دوڑ کر ان سے بغل گیر ہوئے۔ اور دونوں مل کر بڑی دیر تک روتے رہے۔

---

[1] محاسن الکرام جلد ۲، از سیّد میر حسن دہلویؒ ص ۱۱-۱۲، مطبع رضوی دہلوی

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ آپ میرے بھائی ہیں۔ یمن کی گورنری کے باوجود آپ کی حالت نہ بدلنے پر مجھے اس لیئے تعجب نہیں ہوا۔ کہ آپ سے حضرت رسولِ خداؐ بہت خوش تھے۔ جس شخص کو رضائے رسولؐ کا مرتبہ حاصل ہو۔ اس پر دُنیا کس طرح قابو پا سکتی ہے۔؟[1]

## امین الملّت ابوعبیدہؓ بن الجرّاح کا اثاثہ

حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کے گورنر تھے۔ ان کے دور میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ملک میں تشریف لے گئے تو شہر کا بڑا ہجوم ان کے استقبال کو نکل آیا۔ آپ نے پوچھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کہاں ہیں۔؟

لوگوں نے بتایا کہ وہ ہجوم کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ اتنے میں آپ ایک اونٹ پر بیٹھے نظر آئے۔ معمولی سا سادہ پالان تھا۔ اور مہار کھجور کی رسّی کی تھی

حضرت عمرؓ پر ان کی سادگی کا بڑا اثر ہوا۔ ان کی تعظیم کے لیئے اونٹ سے اتر پڑے۔ اور دونوں صحابی بغل گیر ہو کر ملے۔ پھر ابوعبیدہؓ حضرت عمرؓ کو اپنے مکان پر لے گئے۔ دیکھا تو سارے گھر میں ــــ

ایک ٹھلیا تھی ــــ اور ــــ ایک پالان تھا ــــ

---

[1] محاسن الکرام جلد دوم ص ۱۲

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے ازراہ تعجّب فرمایا۔ کہ آپ نے اپنے لیئے کچھ سامان کیوں نہ خرید لیا۔؟

عرض کیا "حضرت! ہمارے لیئے یہی بہتر ہے۔ کہ ورثہ میں چھوڑنے کے لیئے دنیوی سامان ذرا بھی نہ ہو۔!"

یہ تو گورنروں کی کیفیت تھی۔ اُس دَور کے خلفاء کی جو بلاشبہ بڑی طاقت کے حکمران تھے۔ زہدورع میں حضرت حذیفہؓ اور ابو عبیدہؓ سے بڑھ کر تھے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے کرتہ پر چودہ پیوند پائے گئے۔ سندھ سے مصر تک کے فرمانروا ہونے کے باوجود اینٹیں تیار کرتے اور ان پر گذارہ کرتے تھے۔ دیانتداری کا یہ عالم تھا۔ ایک دفعہ جب وہ بیت المال کا تیل ایک برتن میں ڈال رہے تھے۔ آپ کے صاحبزادے نے مٹکے پر سے ہاتھ مس کر کے سر پر لگا لیا۔ آپ نے اُسی وقت حجام بلا کر وہ بال منڈوا لیئے اور بیت المال میں رکھوا دیئے۔ کیونکہ ان پر بیت المال کا تیل لگ چکا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ایک دفعہ کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کے لیئے کھڑے ہوئے۔ تو اپنی چادر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ وہی چادر ہے جو میں مدینہ منورہ سے پہن کر آیا تھا۔ حکومت کے مطبخ سے روزانہ سینکڑوں عوام کو پُرتکلّف کھانا ملتا تھا۔ مگر آپ اس عالم میں بھی روزہ ستّو سے افطار کرتے تھے۔

# اِسلامی تمدّن پر عجمی اثرات

اُن کے مقابلے میں عبدالملک بن مروان کی حالت کا اندازہ لگایئے۔ آفتاب نبوّت

Marfat.com

کو غروب ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔لیکن چونکہ یہ شخص اس سرچشمۂ ہدایت سے براہِ راست استفاضہ نہیں کر سکا تھا۔اُسی سرزمین میں جہاں ابو عبیدہ بن جراحؓ اپنی غیر معمولی سادگی کا نمونہ پیش کر چکے تھے۔قیصر وکسریٰ جیسی زندگی بسر کر رہا تھا۔رہنے کو عالیشان محلات تعمیر کرا لیئے تھے۔سواری کے لیئے سینکڑوں اسپ خاصہ اصطبل میں موجود تھے۔سینکڑوں خدام ہر وقت دست بستہ دربار میں حاضر رہتے تھے۔دسترخوان پر بے شمار کھانے چُنے جاتے۔پُر تکلف لباس زیب تن کرتے۔حتیٰ کہ بول چال میں بھی تکلف راہ پا چکا تھا۔اس دَور کے بہت بڑے عالم امام شعبی لکھتے ہیں۔کہ میں خلیفہ عبدالملک سے گفتگو کر رہا تھا۔ایک بار خلیفہ کا کوئی جملہ سمجھ میں نہ آسکا تھا۔میں نے عرض کیا:۔

"حضور! کیا ارشاد ہُوا پھر فرمایئے۔!"

خلیفہ نے فرمایا۔شعبی! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔کہ بادشاہوں کو کسی بات کے مکرر کہنے کی تکلیف نہیں دیا کرتے

امام شعبی اسی خلیفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے خلیفہ کے رُوبرُو کسی شخص کا ذکر بڑے احترام سے کیا۔خلیفہ نے کہا:

شعبی! بادشاہوں کے سامنے کسی دوسرے کا ذکر تعظیم سے کرنا سوءادبی میں شامل ہے۔اُن کے رُوبرُو اُن کی ہی عظمت کرنی چاہیئے۔

ایک اور مرتبہ امام شعبی نے خلیفہ عبدالملک سے کہا۔

امیرالمؤمنین! رسول اللہؐ کی فلاں حدیث مجھے لکھ دیں۔

خلیفہ نے کہا:۔

Marfat.com

شعبی! تمہیں یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ فلاں حدیث کی تحریر کا حکم نافذ کریں[1]۔
آپ نے دیکھا کہ اسلام کی سادہ تہذیب پر عجمی تکلّفات نے کتنا جلد اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبیؐ ہونے کے ساتھ ساتھ عرب کے فرمانروا بھی تھے۔ آپ نے ہرقل جیسے عظیم قیصرِ روم سے لڑنے کے لیئے لشکر بھیجے تھے۔ بڑے بڑے سرکش یہودی اور عیسائی آپ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ آپ نے اپنی اُمّت کو ہر قسم کے آداب سکھائے۔ مگر اس قسم کے آداب جو آزادیٔ ضمیر کو سلب کر لیں یا حکاّم کو بتوں کی طرح پوجنے کی ترغیب دیں۔ ہمیں حدیث کی کتب میں نظر نہیں آتے۔ بلکہ ایسی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ نبوّت میں ہر مرد اور عورت کو اظہارِ رائے کی پوری آزادی تھی۔

## لاحاجت فیہ

ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سامنے سے ایک عورت گذری۔ جو جلد جلد قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی۔ اور اُس کے پیچھے اس کا خاوند منّت سماجت کرتا جا رہا تھا۔ آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ شخص اپنی بیوی سے کتنی محبّت کرتا ہے مگر وہ ہے کہ اسے خاطر میں ہی نہیں لاتی۔ آپ نے اس عورت کو بُلا کر فرمایا۔ کہ اپنے خاوند کو تنگ نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ پیار و محبّت سے گذارہ کرو۔ اس خاتون نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! کیا آپ حکم دے رہے ہیں۔؟
فرمایا نہیں۔ مَیں سفارش کر رہا ہوں۔

---

[1] محاسن الکرام جلد دوم صفحہ ۷۸

Marfat.com

کمال بے ساختگی سے جواب دیا۔ لَا حَاجَۃَ فِیْہِ (اس کی ضرورت نہیں) یہ کہا اور آگے بڑھ گئی۔

حضرت عمرؓ نے حق مہر کی مقدار مقرّر کرنا چاہی۔ تو ایک بڑھیا نے ٹوک دیا۔ کہ اے عمرؓ! جب خدا ہمیں قنطارؔ کے قنطار عنایت کرتا ہے۔ تو ہمارے حقوق کو غصب کرنے والا کون ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ بگڑے نہیں۔ جبینِ اقدس پر شکن بھی نہیں آئی۔ ضعیفہ کی حق گوئی پر بڑے خوش ہوئے اور اُسے دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ تُو نے مجھے ایک بڑی غلطی سے بچا لیا۔

## تصوّف کا دُوسرا دَور

جب سُورج غروب ہو جاتا ہے اور ہر طرف تاریکی کے دل بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ تو لوگ اپنی اپنی توفیق کے مطابق موم بتیاں، گیس، لیمپ اور بجلی کے قمقمے روشن کر لیتے ہیں۔ اسی طرح جب آفتابِ نبوّت اصلی مرکز پر چلا گیا۔ اور حضرت رسالت مآب روحی فداہ کا جسدِ اطہر عوام کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تو اسلامی تعلیمات کو نقصان سے بچانے اور انہیں زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کے لیئے ہر شخص نے اپنے ذوق اور وجدان کے مطابق کام چن لیا۔ چند بزرگوں نے قرآن کا تحفظ اپنے ذمّہ لے لیا۔ بعض نے احادیث کی طرف توجّہ کی۔ یہ لوگ مفسّر اور محدّث کہلائے۔ ان کے بعد ایک اور گروہ منظرِ عام پر آیا۔ اس نے عبادات، مالی و بدنی معاملات اور عقائد کے مسائل مستنبط فرمائے۔ اور فقیہ مشہور ہوئے۔ بعض نے ان استنباطِ مسائل کے اصول مدوّن فرمائے

---

لہ وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا۔

انہیں اصولی اور اس علم کو اصولِ فقہ سے موسوم کیا گیا۔ انہی بزرگوں میں سے ایک گروہ قرآن مجید کے معارف وحقائق، اخلاقی و باطنی اوامر و نواہی اور قلب و روح کے اعمال کی طرف متوجّہ ہُوا۔ یہ حضرات صوفی کہلائے۔ اور اس علم کا نام تصوّف رکھا گیا۔

اُس دور کی حالت آج کل کے حالات سے قطعاً مختلف تھی۔ اس پاک دور میں ہر گروہ اپنے اپنے کام میں مصروف تھا۔ اور محض فی سبیل اسے دینی خدمت سمجھ کر انجام دیتا تھا۔ ایک کو دوسرے سے نہ غرض تھی اور نہ کد۔ نہ کوئی مخالف تھا۔ اور نہ حاسد۔ اگر ایک جانب امام محمد اسمٰعیل بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے اکابر حدیث کی تدوین میں مصروف رہتے۔ تو دوسری جانب امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ فقہ کے مسائل پر بحث وتنقید کرتے دکھائی دیتے تھے۔ تیسری طرف خواجہ حسن بصریؒ، داؤد طائیؒ، حبیب عجمی رحمہم اللہ عوام کے قلوب وارواح کی بالیدگی میں لیل ونہار بسر کر رہے تھے

## صُوفیہ کے تاریخی کارنامے

صوفیانہ تعلیما کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام دنیا میں تعلیمِ اسلام کا نقارہ بج گیا۔

صفحۂ روزگار پر اسلامی برکات کے آثار نمودار ہو گئے۔ تمام دنیا کے نشیب وفراز، بحر وبر اور ویرانہ، شجر وحجر، دیار وامصار، برگ وبار اور در و دیوار سے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی دلچسپ اور دلآویز صدائیں آنے لگیں۔ دُنیا کی اونچی اونچی پہاڑی چوٹیوں پر خدا کی وحدت اور الوہیّت، ربوبیّت، معبودیّت حضور رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت، عبدیّت وعظمت اور محبوبیّت کے پرچم لہرانے لگے۔ شرک وکفر کی تاریکی رفع ہوگئی۔

Marfat.com

عرب وشام، فارس و روم، مصر و افریقہ اُن کے زیر نگیں آ گئے۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے خدا تعالیٰ نے انہیں دے دیئے۔ اور دُنیا پر ظاہر ہو گیا۔ کہ خدا کے سچّے صوفی اور دین و دُنیا کے حقیقی وارث ایسے ہوتے ہیں۔ انوارِ ربّانی سے رُوئے زمین چمک اٹھی۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا۔ آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے۔ بُت خانے ویران ہو گئے۔ مسجدوں کے سنہرے گنبدوں اور عالیشان میناروں سے تمام بستیاں آباد ہو گئیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کی دل دہلانے والی صداؤں سے تمام آبادیاں گونج اُٹھیں۔ خدا پرستی کا دور آیا۔ حیوانیت اور بہیمیّت کا بازار سرد پڑ گیا۔ علم و حکمت کے ساتھ ساتھ انسانیّت اور ملکیّت نے ظہورِ اجلال فرمایا۔ ناسوت ملکوت بن گیا۔ جبروتی برکات، لاہوتی انوار سیل در سیل نازل ہونے لگے۔ ایک تو وہ حالت کہ یہی ملک عرب جہالت اور بدتہذیبی میں ضرب المثل تھا۔ اور ایک یہ حالت ہو گئی کہ وہی عرب "تمام دنیا میں مہذب اور شائستہ ہونے کا فخر پا کر علم اور تہذیب کا سرچشمہ بن گیا۔ عربوں کے ذریعے تمام دنیا نے سچی تہذیب سیکھی۔ وہ روحیں جو شرک اور بدعت کی نجاست سے بالکل مُردہ ہو گئی تھیں۔ از سرِ نو زندہ ہو گئیں۔ روحانیّت کا غلبہ ہوا۔ زمانے نے اپنی کایا پلٹی جدھر نظر پڑتی۔ خدا کے سچے اور پکے بندے ہر وقت، ہر لحظہ، ہر آن اپنے محبوب مطلق، معبود برحق اور شہنشاہِ حقیقی خداوندِ ذوالجلال والاکرام کی عبادت اور اطاعت اور عشق و محبّت میں نہایت عاجزی، انکساری، مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ سربسجود اور کمربستہ نظر آتے۔ نہ تجارت اور سوداگری انہیں یادِ الٰہی سے غافل کر سکتی تھی۔ اور نہ محنت نہ مزدوری۔ نہ حکومت اور امارت، نہ سلطنت اور دولت نہ مال اور اولاد

Marfat.com

کی محبت۔ وہ اہلِ عرب! جو ذرا ذراسی نکمی اور فضول باتوں پر قبائل کے قبائل قتل کر دیا کرتے تھے۔ دنیا میں خدا کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور حُسنِ سلوک میں اعلیٰ درجے کا نمونہ بن گئے۔ محبتِ الٰہی اور عشقِ رسالت پناہی میں ایسے کھوئے گئے کہ جو کوئی اُن کے مبارک چہروں کو دیکھتا۔ اسے خود بخود ماننا پڑتا۔ کہ بیشک خدا کے اصلی اور حقیقی معنوں میں مخلص بندے یہی لوگ ہیں۔

آپ نے فاروقی عہد کے چند گورنروں کے زہد و ورع کے واقعات پڑھے ہیں۔ لیکن دیکھیئے۔ تصوّف نے اشغال و اذکار اور ریاضات و مجاہدات کے ذریعے کیونکر نوعِ انسانی میں بھی وہی صفات پیدا کر دی تھیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ممتاز تھے۔

## صدملکِ نیمروز بیک جَو نمے خرم

صاحب حدیقتہ الاسرار لکھتے ہیں۔ کہ سلطان سنجر سلجوقی نے حضرت غوث الاعظم سیّدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ کہ احقر خدمتِ اقدس میں آئے۔ تو شاہی لشکر کی وجہ سے حضور کے ہمسایوں کو تکلیف ہو گی۔ اس لیئے اگر حضور انور اس نیازمند کے ہاں تشریف لے آئیں۔ تو ملک نیمروز" لنگر درویشانِ خانقاہ کے لیئے وقف کر دیا جائے گا۔ حضرت اقدس نے جب سلطان کا یہ فرمان پڑھا تو جواب میں دو شعر اسی پروانے کی پشت پر لکھوا دیئے ؎

چوں چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد ، بافقر گر بود ہوسِ ملکِ سنجرم

چوں یافت جانِ من خبر از ملکِ نیم شب ، صد ملکِ نیمروز بیک جَو نمے خرم [1]

چونکہ سنجری چتر سیاہ رنگ کا تھا حضرت نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اے سلطان! اگر اس درویشی کے ساتھ ملک سنجر کی ہوس ہو تو تیرے چتر کی طرح میرے بخت کا چہرہ سیاہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب سے میری جان کو معرفتِ الٰہی نصیب ہوئی ہے۔ طبیعت میں اس قدر استغنا پیدا ہو چکا ہے۔ کہ اگر ملک نیمروز جیسے سینکڑوں ملک بھی میسّر آئیں۔ تو انہیں ایک جَو کے بدلے نہ خریدوں۔!

## فقرا را با جاگیر چہ کار!

شیخ الاسلام فرید الدّین گنج شکر علیہ الرحمتہ کے ہاں اگرچہ ہمیشہ فقر و فاقہ رہتا تھا۔ مگر طبیعت میں اس قدر استغنار تھا۔ کہ سلاطین و امراء سے تحائف و ہدایا قبول نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان السلاطین ناصر الدّین محمود پاک پٹن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضور کی ملاقات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے وزیر الغ خان جو بعد غیاث الدّین بلبن کے نام سے مشہور ہوا چار گاؤں کا ایک فرمان اور بہت بڑی رقم بطور ہدیہ دے کر خدمتِ اقدس میں روانہ کیا۔ جب یہ فرمان حضور کو دیا گیا۔ آپ نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ ایک بکری پاس کھڑی تھی۔ فرمان کا ورق اس کے منہ میں دے دیا۔ اور فرمایا۔

"فقراء را با جاگیر چہ کار۔!"

---

[1] صدیقتہ الاسرار فی اخبار الابرار چمن سیوم صفحہ ۳۶

Marfat.com

فقیروں کو جاگیروں سے کیا غرض ۔ نیز ارشاد کیا ۔ کہ یہ اُن کو دو ۔ جن کو ضرورت ہو ۔ ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں لے

اسی طرح ایک بار والیٔ اجودھن نے کچھ گاؤں اور نقد رقم پیش کرنے کی کوشش کی ۔ فرمایا ۔

اگر مَیں یہ رقم اور گاؤں لے لوں ۔ تو لوگ مجھے درویش نہیں ۔ بلکہ مالدار کہیں گے ۔ اور درویش دیہہ دار میر القب پڑ جائے گا ۔ اس کے بعد یہ منہ درویشوں کو دکھانے کے قابل نہ رہے گا ۔ اور نہ مَیں ان کے درمیان کھڑا ہو سکوں گا ۔ ۲

اسی طرح ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوا اس کی چال میں نخوت تھی ۔ اور اس کے انداز سے غرور ٹپک رہا تھا اس نے نماز ادا کی تو یہ اسی انداز کی نماز تھی ۔ جو عام طور پر خدائے قہار کے جلال وجبروت سے بے خبر انسان جذبات عبودیت کے بغیر ادا کرتے ہیں ۔ نہ ارکان درست تھے ۔ اور نہ رکوع وسجود میں عجز وانکسار کا نشان تھا مسجد کے ایک گوشے میں اس دور کے مشہور درویش سفیان ثوری تشریف فرما تھے ۔ انہوں نے یہ جاننے کے باوجود کہ سلیمان کتنا متشدد اور جابر شہنشاہ ہے ۔ اور اس کی برہمی سے کیا نتائج برآمد ہو سکتے ہیں ۔ بلند آواز سے پکار کر کہا :

"اے شخص ! ایسی عاجلانہ نماز قبول نہیں ہو سکتی ۔ بلکہ قیامت کے دن تیرے منہ پر ماردی جائے گی ۔"

---

لے راحت القلوب ص ۳۲ ، ص۲ ۔ راحت القلوب مجلس یازدہم

Marfat.com

یہ تند و تیز الفاظ خلیفہ کی قوّتِ برداشت سے باہر تھے۔ اس نے آپ کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ تو وہ اپنی خفت پر پردہ ڈالنے کے لیئے بولا کہ :۔

"آپ کو مجھے آہستہ نصیحت کرنی چاہیئے تھی !"

سفیان نے جواب دیا کہ :۔

"جب کبر و غرور کے نشہ سے انسان کے کان بہرے ہو جائیں۔ تو ہلکی آواز اثر نہیں کرتی۔ اس وقت چلّانے کی ضرورت ہوتی ہے خاموشی سے تو وہاں خطاب کیا جاتا ہے۔ جہاں خاموشی کا مفہوم سمجھنے کی صلاحیّت موجود ہو۔!"

یہ فیضان فقر اور درویشی کا تھا۔ کہ چیتھڑوں میں ملبوس ہونے کے باوجود صوفیاء میں شہنشاہوں کی قبائیں نوچنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کی آواز میں میر و سلطان کی بارگاہوں میں تہلکہ ڈال دینے کی قوّت آگئی تھی۔ حالانکہ بڑے بڑے علماء سلاطین اور خلفاء کی یہ بے اعتدالیاں دیکھتے اور صبر کا گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے۔ بلاشبہ علم و دانش یہ فریضہ انجام دینے سے قاصر ہے۔ کیونکہ ان کے مقدّر میں تو مصلحت اندیشی اور سراسیمگی کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔ عشق کے اسرار عقل پر نہیں کھُلتے۔ محرمِ رازِ عشق ہے۔ عقل تماشائی ہے اور عشق تماشا۔ راز تماشا بننے کے بعد ملتا ہے۔ تماشائی سے نہیں۔ تماشائی حجاب میں ہوتا ہے۔ اور تماشا سربسر رازداری کا دوسرا نام ہے۔ انسان پر عشق کی عظمتوں کے دروازے کھُلتے ہیں تو اسے عرفانِ حقیقت ہونے لگتا ہے۔ اور عقل پستیوں میں رہ کر بلندیوں کی حقیقت

Marfat.com

معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ تو اسے تحیّر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا یکون کی دائمی منزل عشق کا قصہ ہے۔ عقل تو اس راہ میں ہمیشہ تنگ کے دھندلکوں کا شکار رہی ہے۔ ایک پردہ اٹھتا ہے۔ تو کئی پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے عہد صحابہ کے بعد جو عجمی اثرات مسلمان اُمراء اور سلاطین نے قبول کر لئے تھے۔ اس کا مداوا ارباب علم و فضل نہ کر سکے۔ مگر بوریہ نشین صوفیاء نے ان کا تمام غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو سلاطین، علماء اور مشائخ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اب ان کی جوتیاں سیدھی کرنے پر فخر کرنے لگے۔

## وجود و عدم وجود برائے ما برابر است

حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی قدس سرّہٗ نے ایک دن خادم سے فرمایا۔ کہ جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں۔ اُسے اُٹھا لاؤ۔ خادم نے ہر چند تلاش کیا۔ مگر وہ صندوقچہ نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر حاضر خدمت ہوا۔ اور حضرت کو صندوقچہ کے نہ ملنے کی اطلاع کی۔ آپ نے قدرے تامل کے بعد فرمایا۔ "الحمد للہ" تھوڑی دیر بعد وہی خادم پھر آیا۔ اور عرض کی "حضرت صندوقچہ مل گیا۔ اس پر بھی حضرت نے فرمایا۔ "الحمد للہ" اور خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کی۔ کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا۔ اور مل جانے پر بھی۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ فرمایا:۔

"الحمد للہ گفتن بہر دو حال بنا براں بود کہ پیش اہل اللہ عدم و وجود

دُنیا مساوی است۔ نہ از رفتن او فکر لیست و نہ از آمدنِ او بہجت[1]"

اور وہ پانچ ہزار دینار اُسی وقت فقراء میں تقسیم کرا دیئے۔

## دنیارا از خود جُدا ساختم

شیخ الاسلام صدر الدّین عارف قدس سرّہٗ حضرت غوث الخلائق خواجہ بہاء الحق والدین زکریّا ملتانی علیہ الرحمتہ کے فرزند دلبند اور خلیفۂ اعظم تھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد جب مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے تو آپ کو ترکہ میں سات لاکھ اشرفی اور دیگر سامان از قسم ظروف، پارچات و مکانات اسی تناسب سے مِلے۔ مگر یہ تمام خزانہ، تمام مال واسباب اور مکانات ایک ہی دِن میں فقراء و مساکین کو بانٹ دیئے۔ اور سوائے پوشیدنی پارچات کے اپنے لیئے کچھ نہ رکھا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ کے والد بزرگوار کا خزانہ نقدو جنس سے معمور رہتا تھا۔ اور اس کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرنا پسند کرتے تھے۔ آپ کو بھی اسی طرح ہی خرچ کرنا چاہیئے تھا۔ حضرت عارف ربّانیؒ نے جواب دیا کہ:۔

"حضرت بابا دُنیا پر غالب تھے۔ اِس لیئے اگر دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی۔ تو انہیں علائق دُنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا تھا۔ اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا صرف فرماتے

---

[1] ہر دو حال میں الحمدللہ کہنا اس وجہ سے تھا۔ کہ اہلِ اللہ کے نزدیک دُنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے نہ اس کے جانے سے غم ہوتا ہے اور نہ ملنے سے خوشی۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ بہاء الدّین زکریّا ملتانیؒ)

Marfat.com

تھے۔ اگرچہ میں بھی بالعموم دنیا پر غالب آتا ہوں کبھی غالب نہ مغلوب، اور نہیں چاہتا۔ کہ کبھی غالب آجائے۔ اس لیئے مردار کو اپنے سے دور ہٹا دیا ہے۔ اور دل کو بے اطمینانی کے فتنہ سے بچالیا ہے [1]''

## آہِ سرد

حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدّین اولیاء دہلوی علیہ الرحمتہ کی خدمت میں بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا۔ تو ایک آہِ سرد کھینچتے۔ کہ آہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں۔ ایک بار ایک عقیدتمند رئیس نے دو باغ، کچھ زمین اور قیمتی سازوسامان باضابطہ لکھ کر نذر کرنا چاہا۔ لیکن حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ان کو قبول نہیں کیا۔ فرمایا۔ کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کر لوں۔ تو لوگ یہی کہیں گے۔ کہ شیخ اب باغ میں جاتا ہے۔ اور اپنی زمین اور باغ کے نظارے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ یہ میرے لیئے ہرگز مناسب نہیں۔ پھر اشکبار ہو کر فرمایا:۔

"از خواجگانِ ما و مشائخانِ ما ہیچکس ازیں قبول نہ کردہ است [2]۔"

## سب کچھ لُٹا دیا

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا جب وقتِ آخر قریب آیا تو آپ نے حکم دیا۔ کہ جو کچھ خانقاہ اور لنگر خانے میں ہے۔ سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے خادم خاص اقبال نے سب سامان درویشوں میں لٹا دیا۔ حضرت نے مزید اطمینان کے لیئے اپنے

---

[1] سیر العارفین از مولانا جمالیؒ [2] فوائد الفواد صفحہ ۹۹

Marfat.com

عزیز سید حسین کرمانیؒ سے فرمایا۔ کہ جاکر دیکھو کہ اقبالؔ نے میرے حکم کی پوری تعمیل کی ہے یا نہیں۔ سید حسینؒ نے واپس آکر عرض کیا۔ کہ اقبالؔ نے حضرت کے حکم کی پوری تعمیل کی ہے۔ صرف انبار خانوں میں غلہ باقی ہے جو درویشوں کی خوراک کے لیئے رکھ لیا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت برہم ہوئے اور فرمایا۔ کہ انبار خانوں کے دروازے توڑ ڈالو۔ اور زمین کی اس ریت (غلے) کو لٹا دو۔ چنانچہ اطراف کے فقیروں اور مسکینوں کو خبر دی گئی۔ اور بکثرت جمع ہو گئے۔ انبار خانوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ فقیروں نے سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ایک دانہ بھی باقی نہ رکھا۔[1]

یہ چند صوفیاء کرام کے زہد و ورع کا خاکہ ہے۔ صوفی کے لیئے اوّلین شرط ہی ترکِ دنیا ہے۔ مرشدی و مولائی حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ چشتی نظامی کا یہ معمول تھا۔ کہ دن میں جو تحائف اور ہدایا پیش ہوتے۔ وہ ظہر کی نماز سے پہلے مستحقین میں تقسیم کر دیئے جاتے۔ اور خود دامن جھاڑ کر مسجد کو روانہ ہوتے تھے۔

یہ حضراتِ صوفیاء کی سیرتوں کا ایک پہلو ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ بزرگوار جامع الصفّات تھے۔ مسلسل مجاہدات و ریاضات سے وہ فنافی الرسولؐ کا مقام حاصل کر لیتے تھے۔ اس وقت وہ ان تمام صفات سے متصف ہو جاتے تھے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھیں۔ تصوّف کی اصطلاح میں

---

[1] تذکرہ قطبُ الاقطاب شاہ رُکنِ عالم ملتانیؒ صفحہ ۱۸۳

Marfat.com

کہا جاتا ہے۔ کہ یہ درویش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلب پر ہے۔ الغرض ہر ولی کسی نبی کے "قلب" پر یعنی مشرب پر ہوتا ہے۔ اور اس کے قدم پر چلتا ہے۔ قلب یعنی مشرب کی تشریح کے لیئے ذیل کی حکایت ملاحظہ فرمائیں۔

## تمہارے یہودی کا کیا حال ہے؟

ایک دفعہ شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک ارادتمند کو شیخ مصلحت خجندی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ جو کچھ وہ بزرگ ارشاد کریں۔ وہ بجنسہٖ آکر مجھ سے بیان کرو۔ جب وہ مرید حضرت خجندی قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت نے پوچھا۔

"کہاں سے آرہے ہو۔؟"

درویش نے عرض کیا۔ "خوارزم سے۔"

شیخ نے پھر فرمایا۔ "تمہارے یہودی کا کیا حال ہے۔؟"

مُرید کو شیخ کا یہ جملہ گراں گذرا۔ اور بلا اجازت حضرت سے لوٹ آیا۔

پیر کی خدمت میں پہنچا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ حضرت خجندیؒ نے جو کچھ فرمایا ہو۔ بلاکم وکاست بیان کرو۔

مُرید نے عرض کی۔ حضور! انہوں نے ایسی بات کہی ہے۔ جو میں زبان پر نہیں لا سکتا۔

شیخ نے اصرار کیا۔ کہ مت شرماؤ۔ اور جو کچھ سنا ہے کہہ دو۔!

اس پر مُرید نے مجبور ہو کر عرض کیا۔ کہ شیخؒ نے مجھ سے پوچھا تھا۔ کہ تمہارے یہودی کا کیا حال ہے۔؟

Marfat.com

یہ لفظ سنتے ہی شیخ نجم الدّین بہت خوش ہوئے۔ اور اُن پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ ایک پہر تک یہی عالم رہا۔ جب ذرا سکون ہوا۔ تو مُرید نے خوشی کا سبب دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا۔ کہ عرصہ سے مجھے فکر تھا۔ کہ مَیں کس پیغمبر کے قلب پر ہوں۔ شیخ مجندیؒ کے اشارے سے معلوم ہوا۔ کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہوں۔ کیونکہ یہ خود حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی اُمّت سے ہیں[1]۔

## خدمتِ خلق

ایک اور چیز جو صحابہ اور صوفیاء میں مشترک ہے۔ وہ خدمت کا جذبہ ہے۔ مولانا شاہ عبدالرحیم محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ کے زمانے میں ایک ضعیف عورت تھی۔ جو کمزوری کے سبب ایک کونے میں پڑی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو خیال آیا۔ کہ اس ضعیفہ کا کوئی وارث معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ خود کوئی کام کر سکتی ہے۔ بایں ہمہ اس کا گردو پیش صاف ستھرا ہے پانی بھی بھرا پڑا ہے۔ پتہ کرنا چاہیئے کہ کون اس کی خدمت انجام دے رہا ہے آپ نے بڑھ کر اس بی بی سے پوچھا۔ کہ تیرا یہ کام کون کرتا ہے۔ اس نے کہا۔ ایک بوڑھا آتا ہے۔ وہی تمام کام کر جاتا ہے۔ آپ نے فیصلہ کر لیا۔ کہ آئندہ وہی اس سعادت کو حاصل کیا کریں گے۔ چنانچہ اگلی رات کو وہ یہاں تشریف لے آئے۔ مگر جب بڑھیا سے پوچھا۔ تو اُس نے اَدب سے عرض کیا۔ کہ آپ سے پہلے ایک

---

[1] لطائف اشرفی حصّہ اوّل ملفوظ حضرت مخدوم سیّد اشرف جہانگیری سمانی صفحہ ۱۹۵-۱۹۶۔

Marfat.com

پیر مرد یہاں آئے تھے۔ انہوں نے میرے گھر میں جھاڑو دیا۔ پانی بھر لائے۔ اور کھانا تیار کر کے دے گئے۔ حضرت عمرؓ دو تین راتیں متواتر آتے رہے مگر بڑھیا یہی بتاتی رہی۔ کہ ایک پیر مرد میرا کام کر گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو تعجب ہوا کہ وہ بوڑھا کون ہو سکتا ہے۔ ایک رات بہت سویرے آئے اور ایک کمینگاہ میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے ایک شخص کو آتے دیکھا۔ اور جب وُہ کام کر کے جانے لگا۔ تو آپ نے اُنہیں پہچان لیا۔ وہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"اے ابوبکرؓ! میں نے تم پر حسد نہیں کیا۔ کہ تم نے یہ نیکیاں کیوں پائیں[1]"

یہ صحابہؓ کا مقام تھا۔ حضرات صوفیاء نے ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے میں اس حد تک کوشش کی۔ کہ افراط تفریط سے بڑھ گئے۔!

## چیونٹی کی خاطر ہمدان کا سفر

شیخ العارفین بایزید بسطامیؒ کا ذکر ہے کہ وہ ہمدان گئے ہوئے تھے۔ انہیں وہاں کوئی تکلیف پیش آئی۔ علاج کے لیئے تخم معصفر خریدا۔ اس میں سے کچھ استعمال کیا۔ اور باقی کو پگڑی کے گوشہ میں باندھ کر بسطام چلے آئے۔ جب گھر پہنچ کر اس پوٹلی کو کھولا۔ تو اس تخم میں ایک چیونٹی دیکھی۔ دل میں افسوس کیا۔ کہ ناحق اس بیچاری کو دیس سے بے دیس کیا۔ اُسی وقت چیونٹی کو دوبارہ پوٹلی میں باندھا۔

---

[1]۔ انفاس رحیمیہ صفحہ ۱۱

اور ہمدان کو روانہ ہو گئے ۔ جس دُوکان سے یہ دوائی خریدی تھی ۔ وہیں جاکر اس چیونٹی کو چھوڑا ۔ اور واپس لوٹ آئے[1]

یہ مقام سوائے صوفیاء کے اور کس کو نصیب ہو سکتا ہے ۔ حضرت سعدیؒ نے شیخ شبلی قدس اللہ سرہٗ کے بارے میں بھی اس طرح کا واقعہ درج کیا ہے ۔ اور ابتدا اس طرح سے فرماتے ہیں ؎

یکے سیرت نیک مرداں شنو
اگر نیک مردی و مردانہ رَو

کہ وہ کسی دوکاندار سے گندم خرید کر گھر آئے ۔ دیکھا کہ گندم میں ایک چیونٹی اضطراب کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگ رہی ہے ۔ آپ کو اس کی حالت پر ترس آیا ۔ اور شہر واپس جاکر چیونٹی کو اُسی دُکان میں چھوڑ آئے اور دل میں کہا ؎

مروّت نباشد کہ ایں مور ریش ، پراگندہ گردانم از جائے خویش
سیاہ اندروں باشد و سنگ دِل ! ، کہ خواہد کہ مورے شود تنگ دِل

حضرت سعدیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

ترا کے مُیسّر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است و جنگ
شنیدم کہ مردان راہِ خُدا
دِل دُشمناں ہم نکر دند تنگ[2]

---

[1] ۔ انفاس رحیمیہ ص ۱۲ ، [2] گلستانِ سعدیؒ

Marfat.com

## خواجہ بہاء الدّین نقشبندؒ کا مقام

قطب الاقطاب خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمتہ سے ایک صاحب تصرّف مجذوب نے کہا۔ کہ اے خواجہ! اگر آپ چاہیں کہ آپ پر راہِ باطن واضح ہو جائے۔ تو مخلوق کی راہ کو خس و خاشاک اور نجاست سے پاک کیجیئے حضرت خواجہ صاحبؒ مجذوب کے اس اِشارے کے بموجب سات سال تک کوچوں اور بازاروں کو گندگی اور نجاست سے پاک کرتے رہے۔ اس عرصہ کے بعد اسی مجذوب سے خواجہ صاحبؒ کی پھر ملاقات ہوئی۔ تو اس نے کہا۔ اے خواجہ۔! اگر خدا کا قرب چاہتے ہو تو بلا کسی امتیاز کے نیک و بد، فاسق و فاجر، انسان اور حیوان سب کی فی سبیل اللہ خدمت انجام دو۔!

حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ نے مجذوب کے کہنے کے مطابق خدمتِ خلق میں زیادہ وقت صرف کرنا شروع کیا۔ ایک روز کسی قبرستان سے گذرے۔ دیکھا کہ ایک پرانی قبر کی غار میں ایک کتیا اپنے بچوں سمیت پڑی ہے۔ بھوک پیاس سے اُس کا اور اُس کے پلّوں کا بُرا حال ہے۔ حضرت فوراً شہر کی طرف چلے اور جس نانبائی سے کہا۔ کہ میرا جُبّہ لے لو۔ اور چند نان و کباب دے دو۔

نانبائی نے کہا۔ اے درویش! اگر بھوک ہو تو جس قدر جی چاہے کھا لو۔ اور اگر عام جوانوں کی طرح عیاشی مقصود ہے۔ تو ہرگز میری روٹی نہ لے تاکہ میں گنہگار نہ بنوں۔ اور تو گناہوں میں پھنسے۔

حضرت خواجہؒ نے فرمایا۔ کہ میں تجھے قیمت دے رہا ہوں۔ تجھے اِس بحث سے کیا غرض۔!

Marfat.com

حسن بولا۔ کہ میں ہر دو نان بلاقیمت دیتا ہوں۔ جہاں جی چاہے لے جائیے۔

خواجہ صاحبؒ یہ نان وکباب اور پانی سے بھرا ہوا برتن لے کر روانہ ہوئے حسن کو تجسس کا شوق ہوا۔ وہ بھی حضرت کے پیچھے چل پڑا۔ قبرستان پہنچ کر خواجہ علیہ الرحمتہ نے نان وکباب اور پانی کا لگن کتیا کے آگے رکھ دیئے اور خود دست بستہ سامنے کھڑے ہو گئے۔

کتیا نے نان وکباب ہڑپ کیئے۔ لگن کا پانی گلے سے اتار، چت زمین پر لیٹ گئی۔ اور چاروں پاؤں اوپر کو کر کے کچھ ایسے انداز سے خرخر کرنے لگی کہ گویا بارگاہِ ایزدی میں تشکر ادا کر رہی ہو۔

خواجہ حسنؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بیشمار انوار ساتویں آسمان سے حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمتہ پر نازل ہونے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ عرش سے فرش تک کے تمام اسرار خواجہ صاحبؒ پر منکشف ہو گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا سر خواجہ علیہ الرحمتہ کے قدموں پر رکھ دیا۔ اور بدگمانی کی معافی چاہی۔ عرض کیا۔ کہ مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں لے لیں۔

فرمایا۔ کہ جب زمامِ ہدایت میرے سپرد کی جائے گی۔ تو آپ میرے سب سے پہلے مرید ہوں گے[1]

---

[1] انفاس رحیمیہ از شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی اردو ایڈیشن صفحہ ۱۲-۱۳۔

Marfat.com

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا قبولِ اسلام

حضرت خواجہ گیسودراز علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ مولانا جمال الدین مغربی بڑے سیاح حکیم اور عارف تھے۔ میں اور یہ بزرگ ایک برس تک ایک جگہ رہے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقعہ پر حضرت علیؓ کو کسی مہم پر بھیجا تھا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو حضرتؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ! آپ کو معلوم ہے۔ گذشتہ شب اللہ کریم نے مجھ پر کیا کرم فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم نہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ کل میں نے اپنے والدین اور چچا ابوطالب کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔ اللہ جل شانہ، نے فرمایا "اے میرے پیارے حبیبؐ! ہم اس بات کا فیصلہ کر چکے ہیں کہ جو شخص آپ پر ایمان نہ لائے اور اپنے باطل معبودوں سے کنارہ کش نہ ہو ہم اس کو جنت میں داخل نہ کریں۔ اس پر میں وفورِ غم سے آبدیدہ ہو گیا۔ اور عرض کی اے پروردگار! کیا آپ میرے ماں باپ کو جہنم میں جھونک دیں گے۔! اے پروردگار! رحم فرما۔!! حکم ہوا۔ اچھا اے میرے حبیب! اگر آپ اصرار کرتے ہیں تو فلاں گھاٹی میں چلے جائیں اور وہاں اپنے والدین اور چچا کو آواز دے کر بلائیں۔ وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آئیں گے آپ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ وہ اس کو تسلیم کر کے آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ میں نے اسی طرح کیا۔ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا اور دردناک آواز میں پکارا۔ اے میری ماں!

Marfat.com

اے میرے ابا جان!! اے میرے چچا جان!!!

اس پر وہ اپنی قبروں سے زندہ اٹھ کر مجھ پر ایمان لے آئے اور اس طرح ان تینوں نے عذاب سے نجات پائی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ گیسو دراز فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| "این سخن غریب است ہم در امّ المعانی دیدہ ام در کتاب دیگر ندیدہ ام" | یہ واقعہ غرابت میں سے ہے میں نے سوائے "امّ المعانی" کے اور کسی کتاب میں اسے نہیں دیکھا" |

مگر مترجم کا تبصرہ ملاحظہ ہو:۔ "مطلب یہ تھا کہ یہ بات اور قصّہ درست نہیں۔"

اب فرمایئے۔ اس اضافے کی کیا ضرورت ہے اور مترجم کو اپنی طرف سے اس قسم کے اضافے کا حق کہاں سے پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ کے ماں باپ اور چچا بزرگوار کے بارے میں ہر مومن کے جذبات انتہائی ہمدردانہ ہونے چاہئیں۔ کون شخص نہیں چاہتا کہ آں حضورؐ کے ماں باپ کو عذاب سے نجات ہو اور پھر یہ معاملہ عالم روحانیات کا ہے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو رازدارانہ طور پر بطور بشارت کے ذکر کیا۔ عام خطبہ میں ارشاد نہیں فرمایا۔ کہ ساری امّت گواہ بنے۔

ایک فاضل شخصیّت اس واقعے کو بیان کرتی ہے۔ حضرت خواجہ گیسو درازؒ خود تفسیر امّ المعانی میں پڑھتے ہیں۔ اگر اسے غلط سمجھتے تو لکھنے کی کیا ضرورت تھی یا آخر میں صاف لکھ دیتے۔ کہ "این واقعہ اصلے ندارد"۔ نیز مولانا عبدالحق محدّث دہلوی جیسی شخصیّت بھی اسے درخورِ اعتنا تصوّر نہ کرتی۔ دراصل بات یہ ہے۔ کہ ہمارے ملک میں "خارجیّت" چور دروازے سے داخل ہو چکی ہے اور یہ اسی کے کرشمے ہیں۔ کبھی حضرت علیؓ پر چوٹیں ہو رہی ہیں۔ کسی وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کو باغی اور یزید کو خلیفۂ برحق

Marfat.com

بتایا جاتا ہے۔ اگر کوئی اہلِ بیت رسولؐ کی حمایت میں لب کشائی کرتا ہے تو اس پر رفض کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے شاید اسی قسم کی زیادتیوں سے تنگ آکر امام شافعیؒ بے اختیار پکار اٹھے تھے ؎

لَوْ کَانَ رَفْضٌ حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ ؛ فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّیْ رَافِضِیٌّ

## بحرالمعانی پر حملہ

تصوف کی مشہور کتاب بحرالمعانی شیخ سید محمد جعفر مکی سرہندی کی تصنیفاتِ عالیہ سے ہے۔ مولانا محدث لکھتے ہیں کہ :-

"سید محمد بن جعفر علیہ الرحمۃ از اعاظم خلفائے شیخ نصیر الدین محمودؒ است
در توحید و تفرید مقام عالی دارد و از اکابرِ اولیاست۔"

حضرت کے بارے میں خواجہ چراغ دہلوی کی رائے ملاحظہ ہو :-

"سیّد محمد میدانِ لاہوت کا شہباز ہے۔ تین سَو اسّی (۳۸۰) سے زیادہ اولیاء اور اقطاب اِن سے فیض حاصل کریں گے اور ان کی بیعت سے سرفراز ہوں گے۔" (ص ۲۰۱)

اب رہی بحرالمعانی اس کی قدر و منزلت حضرت کے اس اِرشاد سے ظاہر ہوتی ہے :-

"میرے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے وہ فی الواقع میرے دل کی صدا ہوتی ہے اِن باتوں کو میرا دِل رُوح سے اخذ کرتا ہے اور میری رُوح ان باتوں کو حضرت علیؓ سے اور حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم سے اخذ کرتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم براہِ راست ان باتوں کو خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات سے لیتے ہیں۔"

یعنی اس کتاب کے مندرجات کو منقولات سے کچھ تعلق نہیں۔ گویا الہام کا درجہ رکھتے ہیں حضرت سید محمد جعفر علیہ الرحمۃ اِسی کتاب میں اپنا ایک مشاہدہ درج کرتے ہیں کہ :-

"میں نے صفوان بن قصّی کو جو حضرت عبدالمناف کے بھائی تھے۔ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لاکر مسلمان ہوئے تھے۔ ایک غار میں

Marfat.com

عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مَیں نے جس دن اِن کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اُس وقت ان کی عمر ۹۹۲ برس تھی۔ میں نے اُن سے دریافت کیا۔ کہ آپ یہاں کیسے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیئے درازیِ عمر کی دُعا کی تھی۔"

اِس پر مولانا محدّث یہ نوٹ دیتے ہیں:۔

"ایں قصّہ صفوان کہ دریں کتاب مذکور است و در بحر الانساب کہ تصنیفِ اوست نیز ذکر کردہ است خالی از غرابتے نیست باصول کتبِ احادیث و سِیَر موافق نہ واللہ اعلم (ص ۱۴۰۔ اخبار)

یہ تو خود سیّد محمد جعفرؒ نے ارشاد کیا ہے کہ میں اپنے مشائخ کے توسّل سے ذات باری تعالیٰ سے استفاضہ کرتا ہوں۔ اور یہ میرا مشاہدہ ہے۔ پھر اِس واقعے کو کتبِ احادیث و سیر میں ڈھونڈنا اُن فقراء سے صریح زیادتی ہے۔ جو حَدَّثَنَا رَبِّیْ کے مقام پر فائز تھے۔

اب مترجّم کو موقعہ مل گیا اور اس نے بے تحاشا یہ فقرہ جڑ دیا کہ :۔

"یہ قصّہ درست نہیں بلا سند و بلا دلیل ہے۔"

Marfat.com

# خانقاہی نظام پر ایک نظر

چودھویں صدی کی شروعات میں جب روحانیت کا آفتاب غروب ہونے لگا تو اہل اللہ کے متولیوں اور دوسرے مسلمانوں میں ایسی برائیوں نے سر اٹھایا۔ جس کا ایک صدی پہلے گمان تک نہ تھا۔ اکثر سجادہ نشین حضرات سومناتھ کے بتوں کی طرح اپنی پوجا کرانے لگے اور اُن کی گذر اوقات صرف مریدوں کی نذر و نیاز پر رہ گئی۔ زہد و ورع کی جگہ تعیش نے لے لی۔ اور اولیاء اللہ کے مزارات "اکتساب فیض" کی بجائے متولیوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ بن کر رہ گئے پیر مریدں کے ووٹ پر کونسل کی رکنیت حاصل کرتا تھا۔ اور مرید پیر کی توجہ سے کچہری کا میدان جیت لیتا۔ فقراء اور مشائخ جو کبھی روشنی کا مینار خیال کیئے جاتے تھے۔ اب سیاست کے ستون بن کر رہ گئے۔ ایوب خان نے جب عنانِ حکومت سنبھالی۔ تو اُس نے دیکھا کہ تین گروہ اس کے لیئے وجہ مصیبت بن سکتے ہیں۔

- پیر ــــ جو عوام پر غیر معمولی اثر و نفوذ رکھتے ہیں۔
- زمیندار ــــ جو اپنے مزارعین کے ووٹوں سے اسمبلی میں گھس آتے ہیں۔ اور "پدرم سلطان بود" پکارنے لگتے ہیں۔
- نوکر شاہی ــــ جو بڑے بڑے مناصب پر فائز ہیں۔ اور وسیع اختیارات رکھتے ہیں۔

چنانچہ اُس نے ان تینوں کو کھڈا لائن لگا دیا۔ پیروں سے خانقاہیں چھین لیں۔ اُن کے

Marfat.com

بینک بیلنس اور اراضیات پر بھی قبضہ کر لیا اس طرح ان کی تمام تانیں ٹوٹ کر رہ گئیں۔ زمینداروں کی اراضیات پر زرعی اصلاحات کے بہانے ہاتھ صاف کیا۔ وہ یوں رخصت ہوئے۔ باقی رہے حکّام اور اہلکار۔ نا اہلی کے الزامات لگا کر انہیں بھی گھر میں بٹھا دیا۔

جلدی میں جی حضوریوں نے جو قانون بنائے۔ ان میں نہ استقلال تھا۔ نہ ثبات۔ خواب سہاؤنے تھے۔ مگر تعبیریں اُلٹی نکلیں۔ مرکزی وزیر اوقاف اچھا آدمی تھا۔ اُس نے مختصر سے وقت میں کافی اور مفید کام کیے۔ منجملہ اُن کے ایک فریضۂ حج میں سہولتوں کا پیدا کرنا بھی تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اُس سال ہزاروں بے تاب روحوں کو ارضِ مقدّس کی زیارت اور حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ اُس نے درسی نصاب کو بھی اسلامی اقدار کے عین مطابق مدوّن کرنے کی سعی کی۔ نشریات میں بھی کافی اصلاح کی۔ یہاں تک کہ فلموں کی تطہیر کے لیئے بھی اُس نے سنسر بورڈ بنا دیا۔ بایں ہمہ اس کی نگاہ محکمہ اوقاف پر نہ پڑ سکی۔ اِس لیئے خاکسار نے عزّت مآب وزیر اوقاف کو اس محکمہ کے سراپا پر ایک نظر ڈال لینے کی درخواست کی تھی۔ تاکہ وہ اسے تمام کثافتوں اور آلائشوں سے پاک کر کے ایسا حُسن وجمال عطا فرمائیں۔ جس سے یہ شعبہ عوام میں مقبول ہو سکے۔

## اہل اللہ کے مقابر

اگرچہ اولیائے کاملین کو اس دُنیا سے پردہ کیئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال گذر چکے ہیں۔ مگر اُن کے نورانی قُبّے اب بھی فضائے آسمانی میں نُور بکھیرتے دِکھائی دیتے ہیں۔ ہر دُکھی رُوح کو ان گنبدوں کے سائے میں سکون ملتا ہے۔ اور ہر مصیبت زدہ انسان جب تمام دُنیاوی وسائل آزمانے

Marfat.com

کے بعد مایوس ہو کر اولیائے اُمّت کی سادہ مگر پُر شوکت آرام گاہوں پر حاضری دیتا اور ان کے توسّل سے اپنے ربّ غفور کی جناب میں گڑگڑا کر دُعا مانگتا ہے۔ تو اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کے مصداق اس کی فریاد سُنی جاتی ہے۔ اُس پر سے غم و الم اور رنج و محن کے منڈلاتے ہوئے بھیانک بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اور آسمان کی نیلوفری فضا اُسے خدائے رحیم کی لامحدود برکتوں اور نوازشوں کی بشارت دیتی ہے۔ ہزار برس سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور انشاء اللہ تا ابد جاری رہے گا۔

## مُترجّمین کی تحریفات

صوفی مذاق علماء نے اللہ والوں کے حالات سے جن تذکروں کو مزیّن کیا ہے۔ اُن میں تذکرۃ الاولیاء اخبار الاخیار۔ نزہتہ الخواطر، خلاصتہ الاصفیاء۔ حدیقتہ الاولیاء۔ سیر العارفین۔ اور مقامات داؤدی جیسی کتابوں کو بڑا مقام حاصل ہے۔ اسی طرح مثنوی مولانا رومؒ منطق الطیر۔ کلیاتِ عراقیؒ۔ لوائح شریف۔ کنز الرموز۔ زاد المسافرین اور گلشن راز کو اسرار و معارف کا خزینہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ ابنِ ہشام۔ واقدی۔ طبری۔ ابن اثیر۔ ابنِ خلدون۔ البلاذری۔ مسعودی۔ اصطخری۔ بشاری۔ اور مقدسی کی علمی کاوشیں ہمارے اسلاف کے فضل و کمال کی آئینہ دار ہیں۔ بایں ہمہ اعدائے اسلام ان سب میں یہاں تک کہ سچّے خدا کے کلام برحق میں بھی برابر تصرّف کر رہے ہیں۔ گذشتہ برسوں میں مصر میں یہودیوں نے قرآن مجید کے ایسے بہت سے نسخے درآمد کیے۔ جن میں انہوں نے اپنے مطلب کے مطابق ردّ و بدل کیا تھا۔ نولکشور۔ لکھنؤ میں جو کتابیں طبع ہوئی ہیں اُن میں کوئی کتاب بمشکل تصرّف سے بچ سکی ہے۔ تاریخ واقدی سے غار کا واقعہ حذف کر دیا گیا ہے اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات شریف کے ذکر

Marfat.com

میں جہاں حضرت اُمُّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام درج تھا۔ وہاں ریحانہ لکھ دیا گیا۔ مثنوی شریف میں اِس شعر کا اضافہ کر دیا گیا۔

چوں صحابہ حُبِّ دُنیا داشتند
مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند

اسی طرح منطق الطیر میں بھی اس قسم کے الحاقی اشعار ملتے ہیں۔ جب تک خانقاہی نظام سجادہ نشین حضرات کی نگرانی میں رہا۔ ان میں ہزار کمزوریاں سہی۔ مگر ایک بات ضرور تھی۔ کہ انہوں نے مزارات کے تقدس میں فرق نہ آنے دیا۔ اور اہل اللہ کے ملفوظات کی ممکن حد تک حفاظت کی۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اوقات کی تحویل میں آتے ہی خانقاہوں کا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا۔

محکمہ اوقاف کو جب مولانا عبدالحی کی مشہور تصنیف نزہتہ الخواطر کی عربی سے اردو میں ترجمے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو ترجمہ کے لیئے محکمہ اوقاف کی نظرِ انتخاب نوشہرہ کے ایک غیر مقلد الوحیدی امام خاں پر پڑی۔ چنانچہ اُس نے اپنے مسلک کی روشنی میں اس کتاب کے ترجمے میں تحریف کی اور نامناسب اضافے کر کے کتاب کا حلیہ بگاڑ دیا۔ مثال کے طور پر فاضل مُصنف نے ایک بزرگ کا ذکر اس طرح سے کیا۔

ملک الھند سر بانک الھندی

نوشہروی صاحب لکھتے ہیں:۔

سربانک کذاب قنوجی ہندی

صاحب تذکرہ نے ایک اور بزرگ کا نام اس طرح سے لکھا ہے:۔

الشیخ المعمر بابا رتن ہندی

Marfat.com

نوشہروی صاحب اس کا ذکر اِس طرح سے کرتے ہیں :۔

بابا رتن ہندی بھٹندوی دوسرا کذّاب

فاضل مُصنّف نے حضرت سید عزیز مکّی علیہ الرحمتہ کا ذِکر اس طرح سے فرمایا ہے :۔

الشیخ الصالح المعمر عبدالعزیز الصالحی مکیؒ۔

نوشہروی صاحب عنوان قائم کرتے ہیں :۔

"عبدالعزیز علمبردار مکیؒ تیسرا کذّاب"

جب متذکرہ عبارت میں لفظ کذّاب نہیں ہے۔ تو مترجم کو اپنی طرف سے اضافے کا حق کس طرح پہنچتا ہے۔ حالانکہ علامہ عبدالعلی بن نظام الدّین سہالوی نے فواتح الرحموت میں ان بزرگوں کو اولیائے کاملین میں شمار کیا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

ولا مجال لنسبۃ الکذب الیھم فانھم اولیاء اصحاب الکرامات

محفوظون من اللہ تعالیٰ (۳۷۱ ج۔ ا۔ نزھتہ الخواطر)

یعنی کیا مجال کہ کوئی شخص ان بزرگوں میں سے کسی کو کذب سے منسوب کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی لغزشوں سے محفوظ رکھا ہے۔ ارباب علم و دانش پر ظاہر ہے کہ علامہ عبدالعلی اور اُن کے والد ماجد علامہ نظام الدّین سہالوی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مدارس دینیہ کے لیئے نصاب مدوّن کیا۔ جو آج تک تمام دینی مدارس میں متداول ہے۔ اور درسِ نظامی سے موسوم ہے۔ یہ وہ ثقہ علماء ہیں جنہیں حنفی مسلک کے تمام مکاتبِ فکر تعلیم و تدریس کے سلسلے میں اپنا رہبر و راہنما تسلیم کرتے ہیں۔ جب ایسے جیّد حضرات ان بزرگوں کو اہلِ اللہ میں شمار کرتے ہیں۔ تو نوشہروی صاحب کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ ان کی شان میں گستاخی کرے۔

Marfat.com

ایک جگہ لفظ "وزعم" کا ترجمہ "بکواس کیا" لکھا ہے۔ ہمارے مشائخ کا ذکر اس نے شعراء میں کیا ہے۔ عنوان ہے "شاعر" ص۱۸۱۔ اور نیچے حضرت داتا صاحب، حضرت شیخ الہند اجمیریؒ، حضرت بختیار کاکیؒ، حضرت گنج شکرؒ۔ حضرت صابرؒ۔ اور محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ گویا مترجم کے نزدیک یہ تمام حضرات صرف شاعر تھے۔

## عثمان بن ابی العاصیؓ

مولانا عبدالحی لکھتے ہیں:۔

الحکم بن ابی العاصی۔ الرجل المجاہد واخوہ عثمان بن ابی العاصی۔ امیر البحرین وعمان سنۃ خمس عشرۃ الہجریۃ فی ایام عمر بن الخطابؓ۔

اب اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

"حکم بن ابی العاصی بڑے دلاور تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان نے انہیں پندرہویں ہجری میں بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔"

ملاحظہ فرمایئے۔ اصل عبارت میں عثمان بن ابی العاصی ہے۔ مگر نوشہروی نے ترجمہ کرتے وقت اسے عثمان بن عفان بنا دیا ہے۔ حالانکہ آگے وہ خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ زمانہ خلافت حضرت عمرؓ بن خطاب کا ہے۔

## سورج مندر

ملتان میں قدیم الایام سے ہندوؤں کا عظیم الشان مندر چلا آتا تھا۔ اس کی بڑی شہرت تھی۔ اور ہر سال ہزاروں یاتری اس کے درشنوں کے لیئے ملتان آتے تھے۔ مسلمانوں نے نہ صرف اسے قائم رکھا۔ بلکہ ہندوؤں کو اس میں مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی تھی۔ البتہ کبھی ہندو راجے مہاراجے ملتان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے۔ اور مسلمان ان کے مقابلے کی اپنے اندر طاقت نہ پاتے۔ تو انہیں دھمکی دیتے کہ اگر تم نے ہم پر حملہ کیا۔ تو ہم اس بت کو توڑ پھوڑ دیں گے۔ اِس

Marfat.com

دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوتا اور ہند و حملہ آور واپس لوٹ جاتے۔ مگر مترجّم نے ترجمہ کرتے وقت جو گل کترے ہیں۔ وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں اور اُن کی قابلیّت کی داد دیں۔

| | |
|---|---|
| واذا نزلت الملوك من الكفار على الملتان وعجز المسلمون عن حربهم هددوهم بكسر هذا الصنم وتعويره فتوصل الجيوش عنهم عند ذالك۔ | ایک موقعہ پر کُفّار نے ملتان پر دھاوا کیا۔ تو مسلمان ان کے مقابلے میں دب گئے۔ اور انہوں نے ملتان کے بُت کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا۔ کُفّار یہ دیکھ کر واپس لَوٹ گئے۔ |

نزہتہ الخواطر اردو ترجمہ ص ۱۳۳ جلد اوّل

مترجّم کی ایک اور غلطی ملاحظہ ہو۔ کتاب کا متن ہے:۔

| | |
|---|---|
| وسار الى السكة ففتحها ثم قطع نهر بياس الى الملتان۔ | اور سکہ کا رُخ کیا اور یہ بھی فتح ہو گیا۔ یہاں سے دریائے بیاس (دریائے ستلج)[لہ] کو عبور کر کے ملتان پر دھاوا بول دیا۔ ج ۱۔ ص ۵۹۔ |

## سلاطین کی حاضری

تقریباً آٹھ سو سال سے شیخ الاسلام کا آستانِ قدسی تبلیغ وارشاد کا مرکز چلا آتا ہے۔ دُنیا کے نامور سلاطین جن میں سلطان محمد تغلق، فیروز تغلق اور اورنگ زیب جیسے کج کلاہوں کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ حضرت کے آستان پر حاضری دی ہے۔ ۲۲ فروری ۱۹۵۲ئہ کو ملک غلام محمد نے گورنر جنرل کی حیثیّت سے ملتان کا سرکاری دَورہ کیا۔ اور دِن کے گیارہ بجے اُس نے آپ کی خانقاہِ عالیہ پر حاضری دی۔ صاحب سجّادہ نواب مخدوم مُرید حسین صاحب قریشی

---

لہ۔ مترجم نے بیاس اور ستلج کو ایک سمجھ لیا ہے حالانکہ ستلج ضلع ملتان کو سابقہ ریاست بہاولپور سے جُدا کرتا ہے۔

Marfat.com

نے گورنر جنرل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ حضور والا!

"میں اپنے آباء کرام کی اس خاموش آرام گاہ میں آپ کی تشریف آوری پر پُر خلوص شکریہ پیش کرتا ہوں۔ میرے جدِّ اعلیٰ کی وفات آٹھ سو سال کا زمانہ پیچھے چھوڑ آئی ہے۔ اس طویل زمانہ میں کئی انقلابات آئے۔ اور گذرتے رہے۔ زمانہ ماضی کی کئی تاریخی داستانیں افسانہ بن کر رہ گئیں۔ کئی فرمانرواؤں کی کافوری شمعیں جل جل کر ہمیشہ کے لیئے بجھ گئیں۔ لیکن ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد!

ان کی روحانی فرمانروائی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔"

گورنر جنرل مخدوم صاحب کے ان الفاظ سے اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ انہوں نے مزارِ نور بار پر اخلاص و عقیدت سے سر جھکا دیا۔ اور دیر تک ہاتھ اُٹھا کر مصروفِ دُعا رہے۔ تنکو عبدالرحمن ملتان تشریف لائے تو انہوں نے بھی حضرت کے آستان پر حاضری دی۔ اپنے اپنے دور میں مسلمان حکمران جن میں نواب مکرم خان، نواب باقر خان اور نواب مظفر خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں حضرت شیخ الاسلام کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں فرمانروا حضور کے قدموں میں محوِ خواب ہیں۔

## محکمہ اوقاف کی بے اعتدالیاں

جب تک خانقاہِ معلّٰی سجّادگان کے انتظام میں رہی۔ عورتوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ محکمہ اوقاف نے اس حریم قدس کو اپنی تولیت میں لیتے ہی عورتوں کو اندر داخل ہونے کی کھلی چھٹی دے دی۔ جس پر مستورات کھلے بندوں خانقاہِ عالیہ میں اس طرح داخل ہوتیں۔ کہ

Marfat.com

لڑکوں کا غول کمال بے تکلفی سے بندروں کی طرح مزارات پر سے اُچھلتا کودتا اور ہڑبونگ مچاتا آگے بڑھتا اور شیخ الاسلامؒ کے مزار پُرانوار کے گردوپیش اس قدر شور وشغب برپا ہوتا۔ کہ زائرین کے لیئے فاتحہ پڑھنا مشکل ہو جاتا۔

سابقہ انتظام میں خانقاہِ معلّٰی کے جنوب میں چبوترے پر ایک کنال پانی سے بھرا رہتا تھا۔ زائرین جو چوگ لاتے۔ وہیں بکھیر دیتے تھے۔ اور کبوتروں کی پھڑپھڑاہٹ اسی چبوترے تک محدود رہتی تھی۔ مگر محکمہ اوقاف کے ملازمین نے داخلی دروازے کے آگے ہی بکھیرنے کی اجازت دے دی۔ جس سے زائرین کے لیئے گذرنا مشکل ہو گیا۔ خدّام ڈیوڑھی میں دروازے باہر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ مگر وہ نذر نیاز وصول کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ وہنیں اس اَمر سے کچھ غرض نہیں۔ کہ حریم قدس میں کیا ہو رہا ہے۔ ایک دو دفعہ ان سے بات چیت ہوئی کہ تم یہاں کس لیئے بیٹھے ہو۔ اور کس مرض کی دَوا ہو۔ دیکھتے نہیں ہو کہ خانقاہِ عالیہ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ انتہائی مسکینی اور بے بسی سے اپنی بےچارگی کا اظہار کرتے کہ صاحب! اوقاف سے جو تنخواہ ملتی ہے۔ اس سے تو گذارہ نہیں ہوتا۔ آخر ہم لوگ پیٹ کے جہنّم کو کیسے بھریں۔!

یہ زمانۂ ماضی کی داستان نہیں اب بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ محکمہ کے افسران کو اس بدمزگی کا علم نہیں۔ خیر سے مقبرہ شاہ رکنِ عالمؒ کے قریب منیجر اوقاف اور ایس ڈی او صاحب محکمہ ہذا کے دفاتر ہیں۔ ناظم اوقاف اپنے عملے کے ساتھ پاک دروازہ کے باہر حاجی غلام رسول کی سرائے میں تشریف رکھتے ہیں ان کا عملہ کمشنر صاحب کے عملے سے کم نہیں۔ اور وہ پورے انہماک سے اپنے فرائض کی بجاآوری میں مصروف نظر آتا ہے۔ ضلع بھر کی مساجد کے آئمہ کو یہاں سے تنخواہیں

Marfat.com

ملتی ہیں۔ مگر یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی۔ کہ کیا وہ مساجد میں خمسُ الاوقات پابندیٔ وقت سے نمازیں پڑھاتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ نمازیوں کے معتقدات کیا ہیں۔ وہ بریلوی مسلک کے ہیں۔ یا دیوبندی ہیں۔ اب بھی اگر حقیقتِ حال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو بہت سی مساجد ایسی ملیں گی۔ جن کے مقتدی بریلوی مسلک کے ہیں۔ مگر امام دیوبندی ہے۔ کہیں دیوبندیوں کو بریلوی نماز پڑھا رہا ہے۔ مگر مقتدیوں سے خائف و ترساں۔ اذان میں تشہد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر تقبیل ابہام نہیں کرتا۔ کہ کہیں مقتدی برہم نہ ہو جائیں۔ گورنمنٹ سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے افسران اور ملازمین کی بھرتی میں یکسر بے پرواہی برتی۔ اور ایسے لوگ اس محکمے میں گھس آئے۔ جنہیں نہ صوفیاء سے عقیدت تھی۔ اور نہ اُن کے نظریات سے اتفاق۔ مثلاً علماء اکیڈیمی کا ناظم اعلیٰ ڈاکٹر سلیم فارانی کو مقرر کیا گیا۔ جو کہ مسلکاً اہلحدیث تھا۔ محمد میاں صاحب ریسرچ آفیسر بھی یہی ذہن رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گرد و پیش اپنے ہم مسلک مصنّفین کا ایک ہالہ سا بنا لیا۔ خاکسار نے دس سال کی عرق ریزی کے بعد "مشائخ سہرورد" پر تین ضخیم کتابیں طبع کرائیں۔ جو چار جلدوں اور دو ہزار صفحات پر مشتمل تھیں۔ اگست ۱۹۷۲ء میں ملتان زون کے ایڈمنسٹریٹر چودھری محمد حسین صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ مشائخ ملتان پر الگ الگ ۱۶،۱۶ صفحات کے تعارفی کتابچے لکھے جائیں۔ تاکہ عام زائرین استفادہ کر سکیں۔ اگر کسی کو تفصیل میں جانا ہوگا۔ تو اس کی تشنگی رفع کرنے کے لیئے آپ کی کتابیں موجود ہیں چنانچہ خاکسار نے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ۔ شیخ الاسلام صدر الدین عارفؒ باللہ، قطبُ الاقطاب شاہ رُکنِ عالمؒ۔ مخدوم شاہ یوسف گردیزؒ۔ حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ اور حضرت حافظ محمد جمال اللہ رحمہم اللہ علیہم پر تعارفی کتابچے لکھ کر ملک کرم داد خان صاحب

Marfat.com

چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف کی خدمت میں پیش کیئے۔ اُنہوں نے اِن کتابچوں کو بجنسہٖ علماء اکیڈمی کے حوالے کر دیا۔ سلیم فارانی اور محمد میاں میرے ان کتابچوں کے لیئے چکی کے دو پاٹ ثابت ہوئے۔ اور ریسرچ آفیسر کے ان ریمارکس کے ساتھ میرے یہ تمام کتابچے واپس آ گئے کہ:۔

"یہ تحریریں جن اہم شخصیات کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطابق ان کا مافیہ جامع اور وقیع نہیں ہے۔ اس لیئے ہم انہیں اپنی طباعتی سکیم میں شامل کرنے سے قاصر ہیں۔"

# سوادِ اعظم کے خلاف اقلیتی فرقوں کا محاذ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ صرف غیر مقلدین ہی نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو اس بدقسمت ملک پر حکومت کرنے کا بھوت سوار ہے۔ سنّی کانفرنس کی حیرت انگیز کامیابی نے تمام فرقوں میں ہل چل پیدا کر دی ہے۔ اور وہ کسی صورت فرقہ اہلسنّت کو سوادِ اعظم تسلیم کرنے کے لیئے تیار نہیں۔ اب بقیہ تمام فرقے متحد ہو کر اپنی برتری ثابت کرنا چاہتے ہیں روزنامہ "آفتاب" ملتان نے اپنی ۶ر نومبر کی اشاعت میں جلی قلم سے ایک اہم خبر کی سُرخی اس طرح سے دی ہے:۔ "سوادِ اہلسنّت کے نام سے نئی تنظیم کا قیام" مولانا ضیاء القاسمی کا بیان ہے۔ کہ ہماری جماعت میں بریلوی فرقے کے علاوہ تمام اہلسنّت اور اہلحدیث شامل ہیں۔ انگریز گورنمنٹ نے عوام کی فرقہ وارانہ طاقت معلوم کرنے کے لیئے آبادی کا گوشوارہ

Marfat.com

مرتّب کر رکھا تھا جس سے اُسے یہ معلوم کرنے میں آسانی رہتی تھی کہ سُنّی مسلمانوں کی کیا طاقت ہے اور شیعہ رہنماؤں کو کتنے افراد کی حمایت حاصل ہے۔ نظامِ مصطفےٰؐ کے نفاذ کے لیے مسلمانوں کی نو جماعتیں متحد تو ہو گئیں لیکن جب حقوق کے تعیّن کا وقت آیا۔ تو ان کا اتحاد ختم ہو گیا۔ اس کی صرف یہی ایک وجہ تھی کہ ہر فرقہ اپنی تعداد کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا تھا۔ جماعت اسلامی یہ سمجھتی تھی۔ کہ وہ ۲۵ فیصد تناسب کی بنا پر نظامِ حکومت میں چوتھائی کی حصّہ دار بننے کی حقدار ہے۔ مگر مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کا دعویٰ تھا کہ یہ جماعت ملک کی ½ ۱ فیصد آبادی کی نمائندگی کرتی ہے (قیادت کراچی ص ۲۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء)

دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے اجتماعات ہوتے رہتے ہیں ہم نے رائے ونڈ کا اجتماع بھی دیکھا ہے۔ اور سُنّی کانفرنس ملتان کی گہما گہمی بھی۔ اگرچہ اس کا کوئی باقاعدہ پروگرام نہیں تھا صرف مفتی محمود صاحب کی ہٹ دھرمی سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی۔ اس کے نتیجے کے طور پر اس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ آمدورفت کے ذرائع سہل نہ ہونے کے باوجود کراچی سے گلگت تک سُنّی مسلمانوں نے جس ذوق اور وارفتگی کے ساتھ اپنے قائدین کی پکار پر لبیک لبیک کہتے ہوئے ملتان کا رُخ کیا اور جس طرح قلعہ قدیم ملتان کی بلند و پست پہنائیوں نے اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ اس کی نظیر صرف لاہور کا وہ اجتماع ہو سکتا ہے جس میں قراردادِ پاکستان پاس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کے مبصرین نے جو مردم شماری کی ہے وہ دس اور بارہ لاکھ کے درمیان ہے۔ اس بے نظیر اجتماع نے ثابت کر دیا ہے کہ سوادِ اعظم کا شرف اس ملک میں صرف سُنّی مسلمانوں کو حاصل ہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں جو سر بفلک مقبرے خراجِ تحسین وصول کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب سُنّی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سے جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کی آمدنی

Marfat.com

سے لگا لیجیے۔ خود محکمہ اوقاف کے ملازمین کا اندازہ ۶۵ لاکھ سالانہ کا ہے۔ اسی سے حضرت گنج شکرؒ، حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ، حضرت خواجہ غلام فریدؒ، حضرت لال شہباز قلندرؒ، شاہ لطیف بھٹائیؒ، مخدوم لال عیسن رحمہم اللہ کی درگاہوں کی آمدنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جماعت اسلامی ہو یا ملت دیوبند، پرویزی ہوں یا غلام خانی سب قبور کی آمدنی کو حرام جانتے ہیں۔ مگر ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ کہ چپڑاسی سے مرکزی وزیر اوقاف تک سب انہی فرقوں سے متعلق ہیں۔ داتاؒ دربار پر روزانہ درجن بھر زردے اور پلاؤ کی جو دیگیں پکتی ہیں وہ سب انہی حضرات کے پیٹ میں چلی جاتی ہیں۔ جنہیں یہ ملکی صفات آدم زاد، طیب، طاہر جان کر چٹ کر جاتے ہیں۔ پنجاب کے ناظم اعلیٰ چودھری محمد شریف ہوں یا علمائے اکیڈمی کے ڈائریکٹر جناب محمد یوسف گورایہ ان سب کے پیچھے غیر مقلدین کی بہت بڑی ٹیمیں ہیں اور یہ سب قبروں کی آمدنی پر گذر بسر کر رہی ہیں۔ حضرت حافظؒ نے کیا پتے کی بات کی ہے۔ ع

فقیہہ مدرسہ دی شب مست بود وفتویٰ داد
مے حرام ولے بہ زمال اوقاف است

یعنی گذشتہ رات صدر مدرس نشے میں دھت تھے۔ کیف و سکر کے اس عالم میں انہوں نے فتویٰ دیا کہ شراب حرام تو ہے۔ مگر اوقاف کے مال سے بہتر ہے۔

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس دور میں بھی مدارس اوقاف کے سرمایہ سے چلتے تھے۔ فقیہہ مدرسہ اسی مدے سے تنخواہ پاتا تھا۔ مگر اسے اپنے لیے جائز نہیں جانتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مہربان تو اس آمدنی کو شیر مادر کی طرح طیب، طاہر سمجھتے ہیں۔

اگر شروع سے سنی قائدین "سنی اوقاف" کا نظام الگ منظور کرا لیتے تو آج یہ روز بد نہ

Marfat.com

دیکھنا پڑتا۔ آغا محمد یوسف خان کی جگہ پیر محمد کرم شاہ ایم اے الازہر اور ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کی جگہ ڈاکٹر اقبال احمد صاحب فاروقی ان کرسیوں پر نظر آتے اور اللہ والوں کے آستانوں کا تقدس اس طرح پامال نہ ہوتا۔ جیسا کہ اوقاف کے موجودہ عملہ کے باعث ہو رہا ہے شیعہ فرقوں کے عناصر نے بڑی سمجھداری کی۔ کہ انہوں نے بروقت اپنی آمدنی کا تحفظ کرالیا اور ان کا اوقاف کا روپیہ یزید کو رضی اللہ عنہ لکھنے والوں کی جیب میں جانے سے بچ گیا اگرچہ سنی حضرات نے آج تک انتخابات کے ایام میں شیعہ سنی کا امتیاز نہیں کیا۔ جلال پور پیر والا کے گردو پیش ۹۰ فیصد سنی مسلمان آباد ہیں۔ مگر اس حلقے سے ہمیشہ دیوان غلام عباس صاحب جو کہ شیعہ ہیں کامیاب ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جناب عباس حسین گردیزی اور سید ناصر رضوی سے پوچھیئے۔ کہ جن حلقوں سے وہ اسمبلی میں گئے۔ ان میں شیعہ آبادی کا تناسب کیا تھا۔ اگر سندھ کے ممبران اسمبلی کے حلقوں کا جائزہ لیا جائے۔ تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی۔ کہ ان کے ووٹروں میں زیادہ تعداد سنی مسلمانوں کی تھی۔ بایں ہمہ شیعہ حضرات اس پر قانع نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی آبادی بہت زیادہ ہے اور حکومت کے نظام میں ان کو مناسب نمائندگی نہیں دی جا رہی۔ روزنامہ "امن" کراچی کی ۹ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی اشاعت میں جناب شاہد رضا رضوی کا قلیل المیعاد نوٹس ملاحظہ ہو:۔

"آل پاکستان ایکشن کمیٹی کے سیکرٹری اطلاعات جناب شاہد رضا رضوی نے صدر پاکستان اور ناظم اعلیٰ مارشل لاء جنرل محمد ضیاء الحق کو ۹ مطالبات کی تکمیل کے لیئے پندرہ دنوں کا نوٹس دیا ہے اور کہا ہے۔ کہ اگر جائز مطالبات پورے نہ کیئے گئے تو راست اقدام کرا یا جائے گا۔

۱۔ آپ کی حکومت نے اقلیتوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے ووٹ سے اپنے نمائندے منتخب کریں۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ یہی حق سنی مسلم اور شیعہ مسلم اکثریت کو بھی دیں۔

Marfat.com

اور اس اصول کو تسلیم کریں۔ کہ سنّی ووٹ سے سنّی نمائندے اور شیعہ ووٹ سے شیعہ نمائندے منتخب ہوں اور آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کریں۔

۲:۔ آبادی کی بنیاد پر قومی اسمبلی کی نشستوں کی تقسیم بھی کر لی جائے تاکہ ہر ووٹر کو اس کا حق مل سکے۔

۳:۔ آئین میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ مرکز کے دو بڑے کلیدی عہدوں میں ایک سنّی اور دوسرا شیعہ کو مل سکے۔ اسمبلی کے سپیکر سنّی اور ڈپٹی سپیکر شیعہ ہونے چاہیں۔

۴:۔ سنّی مسلم اکثریت کے نمائندے کی حیثیت سے آپ نے صدرِ مملکت کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ چیف مارشل لا کا عہدہ شیعہ مسلم کو دیا جائے۔ کیونکہ شیعہ ملک کی دوسری بڑی اکثریت ہیں۔

مارشل لاء کونسل میں کم از کم ایک شیعہ جنرل رکھا جائے۔

۴۲۔ مرکزی وزیروں میں سے ۸ مرکزی وزیروں کے عہدے شیعہ نمائندوں کو دیئے جائیں۔ کیونکہ ملک میں شیعہ کی آبادی ایک تہائی ہے۔ پنجاب اور بلوچستان میں شیعہ گورنر مقرر کیئے جائیں۔

۵۔ وزارتوں، سفارتوں اور ملازمتوں میں آبادی کی بنیاد پر شیعوں کا کوٹہ مقرر کیا جائے۔ شیعوں کو ملازمتوں سے نکالنے کی کاروائیاں فوراً بند کی جائیں۔

۶:۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شیعہ دینیات کی تعلیم کا جداگانہ نصاب نافذ کر کے شیعہ اساتذہ مقرر کیئے جائیں۔ اور شیعہ دینیات کا بورڈ قائم کیا جائے۔

۷:۔ جداگانہ شعبۂ اوقاف بورڈ تشکیل دیا جائے۔

۸:۔ عزاداری پر سے تمام ناروا پابندیاں اٹھا لی جائیں۔

Marfat.com

ہفت روزہ "قیادت" کراچی شیعہ فرقہ کے اِن مطالبات سے سخت برہم ہُوا ہے لکھتا ہے کہ جُداگانہ طریق انتخاب کے نتیجہ میں پاکستان کے مختلف فرقوں میں اس قسم کے رُجحانات پیدا ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ایک فرقہ اپنی آبادی کے تناسب سے اپنا حق طلب کرتا ہے تو اس سے ہمارے سیاست دانوں کو تکلیف کیوں ہوتی ہے۔ اگر پرویزی فرقہ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کرے گا۔ تو اس سے شیعہ اور سُنّی حضرات کا کیا بگڑے گا۔ اگر حکومت، کو مسلمانوں کے تمام فرقوں کی صحیح آبادی کا علم ہوتا تو تمام پاکستانیوں کو مفتی محمود اور مولانا مودودی کے رحم وکرم پر نہ چھوڑا جاتا۔ اور آج فاروقی صاحب کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے پر پابندی عائد کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور نہ محکمہ اوقاف کے ملازمین میں ہمیں ۹۵ فیصد تصوّف کے دشمن نظر آتے۔ ہمارے دلوں میں مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خاں نیازی کا بڑا احترام ہے مگر انہوں نے حکومت میں شریک نہ ہو کر فہم وتدبر کا ثبوت نہیں دیا۔ تصوف کے مخالفین نے اُمورِ مذہبیہ پر تصرف کر کے سُنّی علماء اور صوفیاء کرام کے آستانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی تلافی ممکن نہیں۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حادثے کا اظہار کتنے لطیف پیرائے میں کیا ہے ؏

شنیدم گوسپندے را بزرگے ، رہانیدا ز دہان ودست گُرگے
شبانگہ کارد بر حلقش بمالید ، روانِ گوسپندازوے بنالید
مرا از دست گُرگم چوں رہلودی ، چوں دیدم عاقبت خود گرگ بودی

یعنی ایک بھیڑ کو بھیڑیئے نے پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے چیرنا پھاڑنا چاہتا تھا کہ ایک بزرگ شخص نے فوراً پہنچ کر اُسے چھُڑا لیا۔ بھیڑ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور اپنے محسن

کو ہزاروں دعائیں دیتی، اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اور اس کے گھر پہنچ کر خدا کا شکریہ ادا کیا۔ کہ اس بزرگ کے طفیل نہ صرف دوسری زندگی ملی۔ بلکہ دوزخ سے بہشت میں آگئی۔ مگر جونہی رات ہوئی۔ اس بزرگ نے بھیڑ کو لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیر دی۔ اس وقت اس کی رُوح نے تڑپ کر کہا:۔

"اے بزرگ! تُو نے مجھے بھیڑیئے کے چنگل سے تو بچا لیا۔ مگر جب تُو نے میرے گلے پر چھری پھیری۔ تو مجھے تُو بھی درندے کی شکل میں نظر آیا۔ یعنی وہ بھی جان لے رہا تھا۔ اور تُو نے بھی ذبح کر کے درندگی کا ثبوت دیا۔"

مسٹر بھٹو نے بھی سرداریاں ختم کیں۔ عوام کو یہ تاثر دیا۔ کہ اب یہ عرصہ دراز کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ مگر پھر ان پر اتنا تشدّد کیا۔ کہ وہ چیخ اُٹھے۔ ابھی تک مری قبائل کے ہزاروں افراد افغانستان میں پڑے ہیں۔ ان کے گھر برباد ہو گئے۔ اُن کے مال مویشی لُوٹ لیے گئے۔ اگر آئیں تو کہاں رہیں۔ اور گذارہ کیسے کریں۔؟ بھٹو گورنمنٹ کا ایک کارنامہ یہ تھا۔ کہ سردار جو اپنے قبائل سے شُشک وصول کیا کرتے تھے۔ اس کی وصولی بند کرا دی۔ اسے تاوان سے تعبیر کیا گیا۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی۔ کہ خوانینِ قلات کے دَور میں جب کوئی سردار لڑائی میں بہادری کے جوہر دکھاتا۔ تو جنگ کے خاتمے پر سردار کو خانِ قلات کی طرف سے کچھ اراضی جنگ کے مصارف کی صورت میں مرحمت ہوتی تھی۔ سردار یہ اراضی اپنے قبائل میں تقسیم کر دیتا تھا۔ اور قبائل اس کی آمدنی کا چھٹا حصّہ سردار کو ادا کیا کرتے تھے۔ دراصل سردار کی حیثیت اراضی کے مالک کی ہوتی تھی۔ اور قبائل بطور مستاجر کے کاشت کر کے پیداوار کا صرف چھٹا حصّہ ادا کرتے تھے۔ ہمارے ہاں تو بٹائی چاہی میں ایک تہائی اور نہری میں نصف نصف ہوتی ہے گویا سردار ہماری بٹائی کا

نصف وصول کرتے تھے۔ بایں ہمہ اُن کے خلاف کتنا پروپیگنڈہ کیا گیا۔

اب اوقاف کے کارناموں پر نظر دوڑائیے۔ ان کا ہر افسر خواہ ناظم اعلیٰ ہو۔ یا ڈائریکٹر علماء اکیڈیمی۔ اپنے آپ کو ابنِ تیمیّہ اور ابن قیّم خیال کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے۔ کہ صوفیاٗ کا طبقہ بدعت اور شرک کا شکار ہے اور وہ تمام حربے اُسے اپنے مسلک پر لانے میں استعمال کرتا ہے۔ اوقاف کی تمام مساجد کے آئمہ اور خطباء وہی ہیں۔ جنہیں علماء اکیڈیمی تربیّت دیتی ہے۔ اس ٹریننگ کے لیئے غیر مقلدین کی درس گاہوں کے فارغ اُمیدوار لیئے جاتے ہیں۔ داخلہ اتنی خاموشی سے کیا جاتا ہے کہ سُنّی امیدواروں کو پتہ تک نہیں چلتا۔ یا پھر کوئی ایسی صُورت پَیدا کی جاتی ہے۔ جو سُنّی امیدواروں کے لیئے سنگِ راہ بن جاتی ہے۔ ۱۹۷۸ء میں گورایہ صاحب نے داخلہ کے لیئے قلیل المیعاد نوٹس دیا اور وہ بھی رمضان شریف میں۔ جبکہ دینی مدارس بند ہوتے ہیں اور فارغ التحصیل طلباء کی وہ تعداد جو حافظِ قرآن ہوتی ہے۔ تراویحیں پڑھانے کے لیئے ملک کے طول وعرض میں پھیل جاتی ہے۔ اگر گورایہ صاحب مشتہری کرنے میں مخلص ہوتے۔ تو ماہِ شعبان کے آخری پندھواڑے میں اشتہار دیتے۔ تاکہ طلباء مطلع ہو سکتے۔ سُنّی علماء اور طلباء کی غالب تعداد کوہِ سلیمان۔ فورٹ منرو اور رجہاں کے گردو پیش سکونت رکھتی ہے۔ جہاں نہ اخبار جاتا ہے اور نہ ریڈیو میسّر ہے۔ گورایہ صاحب کی مزید ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ انٹرویو کے لیئے عید الفطر کا دن مقرّر کیا جبکہ تمام علماء اپنے اپنے حلقوں میں عید پڑھاتے ہیں۔ عید کے موقع پر دُنیا گھر کا رُخ کرتی ہے۔ فوجیوں کو بھی چھٹی مِل جاتی ہے۔ مگر ہمارے ڈائریکٹر علماء اکیڈیمی نے نہ خود عید کی اور نہ اُمیدواروں کو کرنے دی۔ ۵ ستمبر کو جبکہ پاکستان کے جملہ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر بند تھے۔ گورایہ صاحب نے دفتر میں دربار لگایا اور

Marfat.com

درخواستیں وصول کیں۔ ظاہر ہے کہ وہی اُمیدوار حاضر ہو سکتے تھے جو لاہور میں رہتے ہوں۔ یا جنہیں خفیہ ذرائع سے پہلے اطلاع دی گئی ہو۔

دورانِ ٹریننگ ان علماء کو جنہوں نے اولیائے کرام کے آستانوں کی مساجد میں امامت کرنا ہوتی ہے اور خطبے دینے ہوتے ہیں۔ تصوف کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی جاتی اور نہ ہی سُنّی عالم انہیں ٹریننگ دینے پر مامور کیا جاتا ہے۔ ہم نے باادب گورایہ صاحب کو عرض کی تھی۔ کہ ٹریننگ کے دوران علماء کو کسی صوفی مذاق عالم سے عوارف کیمیائے سعادت فصوص الحکم۔ کنز الرموز۔ جوامع الحکم۔ لوائح شریف۔ نفحات الانس۔ اخبار الاخیار۔ سیر العارفین کشف المحجوب۔ مکتوبات امام ربّانی۔ ملفوظ المخدوم اور اشاراتِ فریدی جیسی کتابیں پڑھائی جائیں۔ مثنوی مولانا رومؒ کا باقاعدہ درس دیا جائے۔ مگر وہ ایسا کیوں کرنے لگے۔ ع

ہم کو اُن سے ہے وَفا کی اُمید
جو نہیں جانتے وَفا کیا ہے

آستانوں میں جو لائبریریاں قائم کی گئی ہیں۔ ان میں وہ کتابیں رکھی گئی ہیں۔ جن میں تصوّف کے خلاف مواد پایا جاتا ہے۔ ہم نے مشائخ سہروردیہ پر لکھی ہوئی کئی کتابیں حضرت شیخ الاسلام بہاء الدّین زکریّا قدس سرہٗ کی لائبریری کے لیئے دی تھیں۔ مگر منتظمین انہیں ہضم کر کھا گئے۔

جو مقامات تصوّف کا مرکز رہے ہیں۔ وہاں خصوصی طور پر وہابی خطیبوں کا تقرّر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ چاچڑاں شریف سے صوفی احمد جان صاحب نے اطلاع دی تھی۔ کہ جامع مسجد محبوبیہ کا جو نیا امام اور خطیب آیا ہے۔ اُس نے آتے ہی پوری مسجد کو غسل دیا ہے کہ اس میں مشرکانہ حرکتیں ہوتی رہی ہیں۔ اس لیئے اسے پاک کرنا ضروری ہے۔ منبر جس پر

Marfat.com

اللہ والے خطیبے دیا کرتے تھے۔ باہر نکلوا پھینکا۔ اور درود وسلام بند کرا دیا۔ جس پر خاصی بدمزگی ہوئی اور امام صاحب رسوا ہو کر چاچڑ اں سے نکلے۔

اگر دنیا کو دکھانے کے لیئے کوئی خطیب بھرتی کیا بھی جاتا ہے۔ تو اُسے دوسرا گریڈ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام بہاءالدین زکریاؒ کی مسجد کے خطیب قاری عبدالغفور کو دوسرا گریڈ دیا گیا ہے۔ حالانکہ جنہیں محکمہ مذکور نے ۱۳، ۱۴ گریڈ دے رکھا ہے۔ وہ قاری صاحب کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔

بڑی حیرت کی بات ہے کہ محکمہ اوقاف جب سے وجود میں آیا ہے اس نے آج تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ کہ اولیائے کرام کے نام پر وصول کیئے ہوئے روپے کا صحیح مصرف کیا ہے۔؟ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس روپے کو اُن مدات پر خرچ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ جس کے لیئے یہ وقف قائم کیئے گئے تھے اور نہ ہی محکمہ اوقاف اپنی اس قسم کی کوئی تفصیلی رپورٹ شائع کرتا ہے۔ جس سے عوام کو پتہ چل سکے۔ کہ محکمہ اوقاف ان کے کروڑوں روپیے کہاں خرچ کر رہا ہے۔ اس محکمے کا فرض تھا کہ جب وہ اوقاف کی آمدنی کو سمیٹنے لگا تھا۔ تو واقفین کے وصیت ناموں کا سراغ لگاتا۔ یا پھر مشائخ کے ملفوظات سے ان مدات کو ڈھونڈھ نکالتا۔ جہاں بزرگان نذر و نیاز کی رقوم صرف کرتے تھے ویسے صوفیا کے آستانوں پر جو نذر و نیاز پیش کی جاتی تھی۔ یا اب کی جا رہی ہے۔ اس سے زائرین کا مقصد خانقاہ اور ملحقہ عمارات کی مرمت۔ مدارس صوفیہ کا قیام۔ لنگر خانہ۔ یتامیٰ و بیوگان کے لیئے وظائف، مشائخ کی سیرتوں کی اشاعت تھا۔ لیکن علماء اکیڈمی کو آج تک صوفیہ پر ایک کتاب طبع کرانے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ گذشتہ سال حفیظ اللہ صاحب ایک بزرگ چند دنوں کے لیئے اوقاف کے نائب سیکرٹری لگے تھے۔ انہوں نے شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا علیہ الرحمتہ کا

Marfat.com

تذکرہ بڑے اہتمام سے طبع کرانا چاہا تھا۔ مگر ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب نے ان کا یہ منصوبہ پورا نہ ہونے دیا۔

ہم نے دیوانِ فریدؒ کی طباعت کے لیئے علماء اکیڈمی سے درخواست کی تھی کتابت شدہ ۴۵۶ صفحات چار ماہ تک ڈائریکٹر صاحب کے دفتر میں پڑے رہے۔ مگر نہ تو اکیڈمی اس کی طباعت کے لیئے خود آمادہ ہوئی اور نہ ہی مصنّف کو اس سلسلے میں کچھ امداد دے سکی۔ ہم نے اپنا باغ فروخت کر کے یہ عارفانہ شاہکار طبع کرایا۔ اور پہلا نسخہ اس امید پر خاکسار چوہدری محمد شریف صاحب ناظمِ اعلیٰ کی خدمت میں لے گیا۔ کہ وہ اوقاف کی لائبریریوں کے لیئے کچھ نسخے خرید لیں گے۔ جن کی رقم سے دوسری جلد طبع کرانے میں آسانی ہوگی۔ چوہدری محمد شریف صاحب نے دیوان فریدؒ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چند ابیات مزاحاً تلاوت بھی فرمائے۔ مگر اس کی خرید کا معاملہ گورایہ صاحب کے سپرد کر دیا۔ لیکن وہ ایسی کتاب کیوں خریدتے جو ان کے مزاج اور مسلک کے خلاف تھی۔ اس لیئے ہماری رائے میں پاکستان کے استحکام کے لیئے ضروری ہے۔ کہ نہ صرف مذہب و مسلک و آبادی معلوم کی جائے۔ بلکہ قوم دار بھی۔ تاکہ حکومت کو معلوم ہو سکے کہ پاکستان میں پٹھان بلوچ۔ سیّد۔ قریشی۔ راجپوت اور اعوان کتنی تعداد میں آباد ہیں تاکہ ہر قوم اور فرقہ کے رہنما اپنے آدمیوں کو ان کی تناسب آبادی کے مطابق اسمبلی اور کونسل کے لیئے ٹکٹ دے سکیں۔

## صدرِ مملکت سے اپیل

حضور والا! — آپ ہم نیازمندوں کے مقابلے میں ملک کے حالات سے زیادہ باخبر ہیں جناب کو اچھی طرح سے علم ہے۔ کہ افغانستان کو کمیونزم ہڑپ کر چکا ہے۔ ایران جیسی

Marfat.com

مضبوط سلطنت بھی اس کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ اگر امام خمینی صاحب بروقت اس ملک کو سنبھال نہ لیتے۔ تو آج اس کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ موجودہ صورتِ حال یہ ہے۔ کہ اگر ایک جانب کیمونزم ہمارے ملک کو بھی دستک دے رہا ہے۔ شرقی جانب بھارتی فوجیں انگڑائیاں لے رہی ہیں۔ اور شمال غربی جانب سے کیمونزم جھانک رہا ہے۔ اگر جناب والا شروع سے اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کر دیتے۔ تو آج ملک میں یہ افراتفری دیکھنے میں نہ آتی۔ جس وقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلامی نظام نافذ کیا تھا۔ اُس ملک کی کیا حالت تھی جہاں کی تمام بُرائیاں اس میں موجود تھیں۔ چوری۔ چکاری۔ لوٹ مار۔ زنا۔ شراب خوری، جُوا۔ سٹہ بازی۔ بردہ فروشی۔ دختر کشی اور سود در سود کی لعنت یہ تمام برائیاں حد کو پہنچ چکی تھیں۔ دنیا نے دیکھا۔ کہ اسلامی نظام کی بدولت چند سالوں میں وہی سرزمین امن و امان کا گہوارہ بن گئی۔ زکوٰۃ دینے والے درہم و دینار کی تھیلیاں ہاتھوں میں لیئے پھرتے۔ مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔ مگر آج ہمارا ملک قحط کی لپیٹ میں ہے۔ گراں فروشی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ چوری چکاری روزمرّہ کا معمول بن چکی ہے۔ حُکّام ہوں یا ملازمین سب نے رشوت کو کاروبار کا درجہ دے رکھا ہے حصولِ اقتدار کا نشہ دو آتشہ بن کر ہر کہ ومہ پر چھا رہا ہے۔ اتحادی لیڈر جو اسلامی نظام کے احیاء و بقا کے لیئے اُٹھے تھے۔ آج وہ کرسیوں کے لیئے آپس میں دست بگریبان ہیں۔ بریلوی اپنے آپ کو سوادِ اعظم سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اہلحدیث دیوبند اور اہل قرآن کے فرقے آپس میں متحد ہو کر سوادِ اعظم بننے کی کوشش کر رہے۔ بریلویوں کو حکومت سے گلہ ہے۔ کہ اس نے محکمہ اوقاف غلام خانیوں اور دیوبندیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ آئمہ اور خطباء میں بریلویوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ مگر مولوی غلام اللہ خان

Marfat.com

اور اس کے ہم خیال علماء اتنی تعداد کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ محکمہ اوقاف ڈسٹرکٹ اور صوبائی خطیب ان کی جماعت سے لے اور بریلوی علماء اور آئمہ کو نظر انداز کردے۔ (آفتاب ملتان ۶ نومبر ۱۹۷۸ء)

سُنّی کانفرنس نے مطالبہ کیا ہے۔ کہ محکمہ اوقاف میں سُنّی بورڈ کو جُداگانہ حیثیت دی جائے تاکہ اہلحدیث دیوبندی اور دوسرے مکاتبِ فکر ان کی آمدنی میں تصرّف نہ کر سکیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے محکمہ اوقاف کی کارروائی سے مطمئن نہیں۔ ملک کی پولیٹیکل حالت اس سے زیادہ مخدوش ہو رہی ہے۔ سردار غوث بخش بزنجو، سردار عطاء اللہ مینگل، پشتون لیڈر خان عبدالولی خان، سردار شیر باز مزاری، نواب بگٹی، نواب خیر بخش مری یہ سب لیڈر اس امر کے آرزومند ہیں کہ انگریزوں سے پہلے جیسا پولیٹیکل نظام رائج کیا جائے۔ اس دَور میں خواہ پنجاب کی سکھ حکومت تھی۔ یا افغان گورنمنٹ۔ تمام اپنے اپنے صوبوں سے خراج وصول کرتے تھے مگر نہ تو وہ ملک کے اندرونی نظام میں دخل دیتے تھے۔ اور نہ ان کے وسائل پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ مسلم لیگی لیڈر محمود الحق عثمانی نے اس بناء پر ہر ڈویژن کو صوبے کی حیثیت دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ (امروز ملتان۔ ۵ نومبر ۷۸ء)

اگر اسلامی نظام اس ملک میں نافذ ہو گیا۔ تو لامحالہ حکومتِ پاکستان ہر ڈویژن کو داخلی خود مختاری دینے پر مجبور ہو جائے گی۔ ہر کمشنری اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ (خمس) تو مرکزی حکومت کو ادا کرے گی۔ مگر اپنے وسائل پر ہاتھ نہیں ڈالنے دے گی۔ کراچی کی کمشنری بندرگاہ اور سمندر کی آمدنی کی واحد مالک ہو گی۔ گیس، تیل اور سنگِ مرمر وغیرہ بلوچستان کی ذاتی ملکیت ہوں گے۔ فوج خارجی مسائل اور بیرونی تجارت وغیرہ مرکز سے متعلق رہیں۔ صدرِ مملکت کو ان مسائل پر کامل توجہ سے غور و فکر کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

# صوفیہ اور اُن کے خانوادے

جب نبوّت کا بابرکت دَور ختم ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، بھی نیابتِ رسالت کے فرائض بجا لا کر دارِ فانی سے عالمِ باقی کو رخصت ہونے لگے تو انہوں نے جہاں منصب خلافت کے لیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے حق میں وصیت فرمائی۔ وہاں طرقِ ذکر میں انہوں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرّر کیا۔ اِسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی فقرو ولایت میں اپنا جانشین خواجہ حسن بصری علیہ الرحمتہ کو مقرّر فرمایا۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے مرشدوں کے ذکر کے طرق کی پوری طرح تقلید کی۔ اسلامی دُنیا کے علماء اور تابعین نے اُن کی طرف رُخ کیا۔ اور ان سے بیعت کی پیری مُریدی کا سلسلہ باقاعدہ طور پر اُن کے بابرکت دَور سے شروع ہوا۔ اس سے پہلے صرف بیعت کرنے اور خدمت میں حاضر رہنے کا دستور تھا۔ اور اسے صُحبت سے موسوم کرتے تھے۔ خواجہ مودود چشتی علیہ الرحمتہ تحریر فرماتے ہیں[1]۔ کہ جب خواجہ حسن بصری علیہ الرحمتہ ضعیف ہو گئے۔ تو اُنہوں نے ۲ دو مُریدوں کو اپنا قائمقام بنایا۔ ایک حضرت شیخ عبدالواحد بن زیدؒ تھے اور دوسرے شیخ حبیبؒ عجمی تھے۔ یہ دونوں بزرگوار علم و عمل کے لحاظ سے اپنے دَور کے مسلمانوں میں خاص مقام رکھتے تھے۔ آج کل تصوّف کی دُنیا میں جو چودہ خانوادے مشہور ہیں۔ وہ انہی بزرگوں کی وساطت سے خواجہ حسن بصری علیہ الرحمتہ تک پہنچتے ہیں۔ اگرچہ یہ سلاسل چودہ ۱۴ ہی مشہور رہیں۔ مگر ان کی شاخیں بے شمار ہیں۔ مزید برآں وہ سلاسل ان کے علاوہ ہیں۔

---

[1] حجتہ السالکین۔

Marfat.com

جو سادات اور آئمہ کے ذریعے مولائے کائنات تک پہنچتے ہیں۔ ان جملہ خانوادوں کے شیوخ اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے، متقی اور باعمل درویش تھے اور مذہبًا اہلسُنّت والجماعت تھے۔

مذکورہ بالا چودہ خانوادوں میں سے مندرجہ ذیل پانچ خانوادے شیخ عبدالواحد بن زیدؒ کے واسطے سے خواجہ حسنؒ بصری تک پہنچتے ہیں۔

۱۔ زیدی۔ ۲۔ عیاضی۔ ۳۔ ادہمی۔ ۴۔ ہبیری۔ ۵۔ چشتی۔

اور ذیل کے نو۹ خانوادے حبیب عجمی کی معرفت خواجہ صاحب تک پہنچتے ہیں۔

حبیبی۔ طیفوری۔ کرخی۔ سقطی۔ جنیدی۔ گازرونی۔ طوسی۔ فردوسی اور سہروردی۔

ان چودہ خانوادوں کی آگے چل کر اٹھائیس یا انتالیس شاخیں ہو جاتی ہیں۔ یہ سب مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے تین، حضرت خضر علیہ السلام سے ایک، حضرت الیاسؑ کے واسطہ سے ایک، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے چار حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سلسلہ سے ایک اور ایک حضرت ابی دردا ؓ کے توسل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ تک پہنچتے ہیں

ایک سلسلہ اویسیہ ہے۔ اس خانوادہ کے بانی حضرت اویس قرنیؒ تھے یہ بزرگ یمن کے رہنے والے تھے۔ اُنہیں ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خواب میں خدا کا یہ حکم سُنایا۔ کہ دنیا کو خدا کے نام پر ترک کر دے اور سرتاپا خدا کی یاد میں محو ہو جا۔ اس ربّانی قاصد نے ذکر کے قواعد بھی بتلائے۔ جو اس سلسلہ کے آئندہ طرقِ ذکر قرار پائے۔

Marfat.com

۱۴۹ھ میں شیخ الوانؒ نے سب سے اوّل فیقری کے مستقل قواعد اور طُرق کی بنیاد ڈالی۔ آج تک آپ کے پیرو موجود ہیں۔ جو الوانیہ کہلاتے ہیں۔ ایم ڈی اوسن نے اپنی مشہور کتاب "عثمانی سلطنت" میں تحریر کیا ہے۔ کہ اسلام کا کوئی ایسا فاضل یا عالم مشکل ملے گا جو الوانیہ سوسائٹی کا ممبر نہ ہو۔ ہر صدی میں فقراء کے نئے نئے مشائخ منظرِ عام پہ آئے اور اُن کے پیرو الگ الگ ہو گئے۔ مسٹر ڈوسن نے اپنی کتاب میں ۳۲ مشائخ کے نام مع ضروری کوائف درج کیے ہیں۔ جنہیں ہم بجنسہٖ یہاں نقل کرتے ہیں:۔

| نمبر | طبقۂ فقراء | بانی | سکونت | سنہ |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | الوانیہ | شیخ الوانؒ | جدّہ | ۱۴۹ھ |
| ۲ | ادہمیہ | ابراہیم بن ادہمؒ | دمشق | ۱۶۱ھ |
| ۳ | بسطامیہ | بایزید بسطامیؒ | جبل بسطم | ۲۶۱ھ |
| ۴ | سقطیہ | سری سقطیؒ | بغداد | ۲۹۵ھ |
| ۵ | قادریہ | عبدالقادر جیلانیؒ | " | ۵۶۱ھ |
| ۶ | رفیعہ | سیّد احمد رفیعؒ | " | ۵۷۶ھ |
| | رفاعیہ | سیّد احمد کبیر رفاعی | " | ۶۰۲ھ |
| ۷ | سہروردیہ | شہاب الدّین عمرؒ | " | ۶۰۲ھ |
| ۸ | کبرویہ | نجم الدّین رحؒ | خوارزم | ۶۱۷ھ |
| ۹ | شرنلیہ | ابوالحسن رحؒ | مکّہ مکرمہ | ۶۵۶ھ |
| ۱۰ | مولویہ | مولانا جلال الدّین رومیؒ | کنواح | ۶۷۲ھ |

| نمبر | طبقہ فقراء | بانی | سکونت | سنہ |
|---|---|---|---|---|
| ۱۱ | بداویہ | ابو الفطن احمدؒ | تانتا / مصر | سنہ ۶۷۵ھ |
| ۱۲ | نقشبندیہ | پیر محمدؒ | قصر عریفا | سنہ ۷۱۹ھ |
| ۱۳ | سعدیہ | سعد الدینؒ | دمشق | سنہ ۷۳۶ھ |
| ۱۴ | بختشیہ | حاجی بختشؒ | کیرسہر | سنہ ۷۳۶ھ |
| ۱۵ | خلوتیہ | عمر خلوتیؒ | قیصریہ | سنہ ۸۰۰ھ |
| ۱۶ | زینیہ | زین الدینؒ | کوفہ | سنہ ۸۳۸ھ |
| ۱۷ | بابیہ | عبد الغنیؒ | ایڈریانوپل | سنہ ۸۷۰ھ |
| ۱۸ | بہرامیہ | حاجی بہرامیؒ | انگورا | سنہ ۸۷۶ھ |
| ۱۹ | اشرفیہ | اشرف رومیؒ | چین ازنک | سنہ ۸۹۹ھ |
| ۲۰ | بکریہ | ابوبکر وانعیؒ | الیپو | سنہ ۹۰۲ھ |
| ۲۱ | سنبلیہ | سنبل یوسف بلویؒ | قسطنطنیہ | سنہ ۹۳۶ھ |
| ۲۲ | گلشانیہ | ابراہیم گلشنیؒ | قاہرہ | سنہ ۹۴۰ھ |
| ۲۳ | الگہرت تشبیہہ | شمس الدینؒ | مگنیسیا | سنہ ۹۵۱ھ |
| ۲۴ | ام سنینہ | شیخ ام سننؒ | قسطنطنیہ | سنہ ۹۵۹ھ |
| ۲۵ | خلوانیہ | پیر آفندیؒ | بروسا | سنہ ۹۸۸ھ |
| ۲۶ | عشائیہ | حسن الدینؒ | قسطنطنیہ | سنہ ۱۰۰۱ھ |
| ۲۷ | شمسیہ | شمس الدینؒ | مدینہ | سنہ ۱۰۱۰ھ |
| ۲۸ | سنن امیہ | علیم سنن امیؒ | الوالی | سنہ ۱۰۷۹ھ |

Marfat.com

| نمبر | طبقہ فقراء | بانی | سکونت | سنہ |
|---|---|---|---|---|
| ۲۹ | نیازیہ | محمد نیازؒ | ملتس | ۱۱۰۰ھ |
| ۳۰ | مُرادیہ | مراد شامیؒ | قسطنطنیہ | ۱۱۳۲ھ |
| ۳۱ | نُورالدّینیہ | نُورالدّینؒ | " | ۱۱۴۶ھ |
| ۳۲ | جمالیہ | جمال الدّینؒ | " | ۱۱۶۴ھ |

Marfat.com

[stamp]

# سجادہ نشین حضرات اور اُن کے معمولات

خانقاہی نظام کو اگر زندہ رکھنا مقصود ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ اُسے اپنی قدیم وضع پر چلایا جائے۔ جس طرح اوقاف ایکٹ کے نفاذ میں حکومت نے قلندرانہ جرأت سے کام لیا ہے۔ اسی طرح اُسے سجادگانِ کرام سے محاسبہ کرنے میں بھی کافی سختی سے کام لینا پڑے گا۔ جراحت کا عمل واقعی تکلیف دہ ہوتا ہے مگر اس کے نتائج ہمیشہ اچھے برآمد ہوتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ سجادہ نشین حضرات کافی طاقت کے مالک ہیں اور وہ لازماً سنگِ راہ بننے کی کوشش کریں گے۔ لیکن حکومت اس سے پہلے جاگیرداری کو ختم کر چکی ہے۔ اس نے زرعی اصلاحات کے نفاذ میں بڑے استقلال کا ثبوت دیا ہے۔ ایبڈو زدہ حضرات سے احتساب کرنے میں حکومت نے کسی مصلحت کا خیال نہیں کیا تو پھر ایسے لوگوں سے جنہوں نے اپنے آباء کرام کے مسلک کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے جنہوں نے قوم اور ملت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اُن سے کسی قسم کی رعایت کیونکر کی جا سکتی ہے۔

اگر حکومت عوام کی اصلاح چاہتی ہے۔ تو سب سے پہلے ان افراد کی تطہیر کرے۔ جو قوم کی راہنمائی کے مدعی ہیں اور جن کے نام کے ساتھ قدوۃ السالکین اور عمدۃ العارفین جیسے القابات لکھے جاتے ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ
وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ

Marfat.com

بظاہر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے بدن کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب وہ تندرست حالت میں ہوتا ہے تو تمام بدن صحتیاب ہوتا ہے۔ اور جونہی اس میں کچھ نقص واقع ہوتا ہے۔ سارے بدن میں خرابی پڑ جاتی ہے۔ لیکن باطن میں اس کا مفہوم یہی سمجھا گیا ہے۔ کہ مضغۂ گوشت سے مراد دل نہیں۔ بلکہ حضرات علماء اور مشائخ ہیں۔ جو قوم کے اندر بمنزلۂ دل کے ہیں چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایک زمانہ میں مساجد اور خانقاہوں کو ان ملائکہ صفت بزرگوں پر ناز تھا۔ اور امام محمد غزالی، ابن جوزی، امام ربیعہ، امام محمد رحمہم اللہ علیہم جیسے یگانہ روزگار علماء اور مشائخ جب تفسیر، حدیث اور فقہ پر تقریر کرنے کے لیئے کھڑے ہوتے تو چالیس پچاس ہزار افراد تک متلاشیانِ حق جمع ہو جاتے جو یہ تقریریں سنتے نہیں تھے۔ بلکہ لکھتے تھے بسا اوقات جب دواتوں کا شمار ہوتا۔ تو ان کی تعداد دو ہزار سے بھی بڑھ جاتی تھی اور یہی حضرات جب مساجد کے محرابوں میں کھڑے ہو کر دعوتِ عمل دیتے تو افرادِ قوم میں بجلی کی سی تڑپ پیدا ہو جاتی اور آنکھوں کے ڈھیلے فرطِ جوش سے خونین دکھائی دینے لگتے تھے بارہا ایسا ہوتا۔ کہ یہی طریق حرب سے نا آشنا مٹھی بھر مسلمان خطبہ سن کر مسجد سے نکلنے اور سیاسیات عالم کا مہرہ پلٹ کر رکھ دیتے۔ اسلام میں یاس اور قنوطیت کا کوئی مقام نہیں۔ اگر سجادہ نشین خود سنور جائیں۔ تو ان کے لاکھوں مرید خود بخود راہِ ہدایت پر آجائیں گے۔ بقول اقبالؒ ؎

آج بھی تم میں ہو اگر ابراہیم کا ایماں پیدا
نار کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

عہدِ حاضر کے سجادہ نشین حضرات کو نہ تو اپنے بزرگوں کے مسلک سے

Marfat.com

کچھ واسطہ ہے اور نہ نوعِ انسانی سے ہمدردی۔ وہ سجادگی پر اس لیئے جان دیتے ہیں۔ کہ اس سے ان کی دکان چمکتی ہے۔ اور ان پر تعیش کے دروازے کھلتے ہیں سب بے راہر و سجادگان کو راہِ راست پر لانے کے لیئے ضروری ہے کہ حکومت مؤثر کارروائی کرے۔ اور وہ یہ ہو سکتی ہے۔ کہ:۔

۱:۔ سجادہ نشین حضرات کے لیئے وہ عقیدہ لازمی قرار دیا جائے۔ جو صاحب روضہ کا ہو۔ مثلاً حضرت سید السادات جلال بخاری، حضرت مخدوم جہانیاںؒ، سید راجن قتال، حضرت دین پناہ، سید عبدالوہاب رحمہم اللہ علیہم حنفی المذہب تھے۔ اس لیئے اُن کے سجادہ نشین حضرات کا بھی حنفی ہونا لازمی ہے۔

۲:۔ سجادگی کے منصب کے لیئے صرف اس شخص کو اہل قرار دیا جائے جو فارغ التحصیل عالم اور زاہد شب زندہ دار ہو۔

۳:۔ صاحب سجادہ کو اسلامی قدروں کا سختی سے پابند ہونا چاہیئے۔ کوٹ پتلون اور ٹائی کو اس کے لیئے ممنوع قرار دیا جائے۔ جبّہ و دستار جو اس منصب کا نشان چلے آئے ہیں۔ سجادگی کے لیئے لازمی قرار دیئے جائیں۔

۴:۔ سجادہ نشین مشروع داڑھی رکھے اور بالوں کی تراش خراش اس کے سلسلہ کے مطابق ہو۔

۵۔ سجادگی کا انتخاب علم و فضل کی بنا پر ہونا چاہیئے۔ اُمیدوار کے لئے مدرسۃ المشائخ کی ڈگری شرط اوّل قرار دی جائے۔ اور مسندِ سجادگی کو ورثہ قرار نہ دیا جائے سجادہ نشین کے انتقال پہ اکابر مریدوں کا اجلاس بُلایا جائے۔ ان میں جو زیادہ متقی اور پارسا ہو۔ اور خانقاہ کے انتظام کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اُسے سجادہ بنایا جائے۔

اگر ایک سے زیادہ اُمیدوار ہوں۔ تو پھر مُریدوں کا عام اِجتماع کھلے اجلاس میں اِنتخاب کرے۔

۶۔ جو شخص اس روحانی منصب پر فائز ہو۔ اُسے نہ تو کوئی سرکاری عہدہ قبول کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی وہ اسمبلیوں کے پھڈے میں ٹانگ اڑائے۔ بلدیاتی کونسلوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھے۔ سجادگی کا منصب ان گورکھ دھندوں سے بالاتر ہے۔ یہ بجائے خود بیحد مصروف اور مقدس منصب ہے۔ سجادہ نشین کا فرض اوّلین اپنے مُریدوں کی روحانی تربیت اور اپنے سلسلے کو فروغ دینا ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ سیاسیات کی پُرخار وادی میں قدم رکھے۔ اور اگر اس طرف آئے گا۔ تو مریدوں کی تلقین و تربیّت کا کام اس سے چھوٹ جائے گا۔ ہاں اگر کسی سجادہ صاحب کا اسمبلی کے بغیر گذارا نہ ہو سکے اور وہ لیلائے ممبری کا دیوانہ بن جائے۔ تو پھر اُسے چاہیے کہ اسمبلی کے الیکشن لڑنے سے پہلے سجادگی کے منصب سے استعفےٰ دے دے۔

۷:۔ کسی سجادہ نشین کو مقدمہ لڑنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ اسے عدالت کی حاضری سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس قسم کے مقدمات مختارِ عام کے ذریعے نپٹائے جا سکتے ہیں۔

۸:۔ سجادہ نشین حضرات کے لیئے لازمی قرار دیا جائے۔ کہ وہ روزانہ کم از کم ایک نماز خانقاہ کی مسجد میں لازمًا ادا کریں۔

۹:۔ ہر خانقاہ کا سجادہ نشین تمام نمازیں مسجد میں عام نمازیوں کے ساتھ ادا کرے۔ اشراق، چاشت، زوال، اوّابین اور تہجد کا بالاستقلال اُسے پابند ہونا چاہیئے۔ تہجّد اور صبح کی نماز کے مابین مصلّٰی پر عبادت کرے۔

Marfat.com

صبح کی نماز سے پہر دن تک بزرگوں کے معمولات کے مطابق قرآن اور وظائف میں مشغول رہے۔

پہر دن سے دوپہر تک علماء مشائخ اور مُریدوں سے کھلے اجلاس میں ملاقات کرے۔ دوپہر سے ظہر تک قیلولہ کرے۔ظہر کی نماز کے بعد پھر اجلاس کرے اور اس میں دینی مسائل اور جماعتی امور زیرِ بحث آئیں۔عصر کے بعد اہل اللہ کے مزارات پر حاضری دے اور فاتحہ پڑھے۔

مغرب کے بعد مُریدوں اور مہمانوں کے قیام وطعام میں توجّہ دے اور ان کے مطالب و مقاصد پورے کرنے کی کوشش کرے۔اور جن کا مقصد حل ہو چکا ہو انہیں اپنے اپنے مقامات کی طرف جانے کے لیئے رخصت دے۔

عشاء کی نماز پڑھ کر آرام کرنے کے لیئے محلسرا میں چلا جائے۔اور تہجد کے وقت تک جس طرح چاہے۔اپنا وقت بیوی بچّوں میں صرف کرے۔یہ نظام الاوقات تمام سلاسل میں رائج رہا ہے۔تاریخ وسیر کی کتب سے اِس اَمر کی تصدیق ہو سکتی ہے اس تحریک کو زندہ کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ خانقاہ کا نظام دوبارہ سجّادہ نشین حضرات کے سپرد کیا جائے۔البتہ انہیں آمدنی وخرچ کا پورا حساب رکھنا چاہیئے۔جس کی سال میں ایک مرتبہ ایڈیٹر صاحبان سے پڑتال کرائی جائے۔

## خانقاہ کا گردوپیش

خانقاہ کا ماحول نہایت پاکیزہ ہونا چاہیئے اس کی حدود میں کسی کو بھنگ گھوٹنے یا حقّہ پینے، پلانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔

خانقاہ کے خدّام کا تقرر صاحب سجّادہ کی مرضی سے عمل میں لایا جائے۔مجاوروں

Marfat.com

کا متشرّع، دیانت دار اور صاحبِ اخلاق ہونا لازمی ہے۔

خانقاہوں کے احاطے میں دو تین حجرے ضرور ہوں۔ جن میں طالبانِ معرفت تزکیۂ نفس کے لیے چلّے کاٹیں۔ لنگر خانہ اور مہمان خانہ ہو۔ جس میں کم از کم دو وقت کا کھانا ہر زائر کو مل سکے۔

اگر خانقاہ کی آمدنی معقول ہو۔ تو اُس کے پہلو میں دینی مدرسے کا انتظام ہونا چاہیے جس میں مذہب کی متداولہ کتب کے علاوہ وہ کتابیں خاص طور پر پڑھائی جائیں۔ جو اس سلسلے سے متعلق ہوں۔ مثلاً قادریہ خانقاہوں میں فتوح الغیب، سہروردی خانقاہوں میں عوارف المعارف اور کنز العباد وغیرہ۔

# صُوفیانہ تعلیمات

دنیا میں کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لیئے قابلیت اور صلاحیت درکار نہ ہو۔ محکمہ تعلیم کا دروازہ انسان پر تبھی کھلتا ہے۔ جب وہ بی اے، ایم اے کے ساتھ بی ایڈ اور ایم ایڈ کی سند بھی رکھتا ہو۔ ریلوے سروس کے لیئے بھی باقاعدہ کورس کرنا پڑتا ہے۔ پولیس۔ جیل۔ زراعت صنعت و حرفت، حتیٰ کہ محکمہ ڈاک بھی بغیر جانچ پرکھ کے کسی کو ذمّہ داری تفویض نہیں کرتا۔ مگر تعجّب ہے کہ منصب سجّادگی کے لیئے کوئی پابندی نہیں جب کسی خانقاہ کا سجّادہ نشین وفات پاتا ہے۔ لازمی طور پر مرحوم کے بڑے صاحبزادے کو مسندِ درویشی پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ بعض سجّادہ نشین تو مسند کا وقار رکھنے یا اپنی دُکان چمکانے کے داڑھی بھی رکھ لیتے ہیں۔ ہاتھ میں تسبیح اور مسجد کا رابطہ بھی گوارا کر لیتے ہیں۔ لیکن اکثریت ایسے سجّادگان

Marfat.com

کرام کی ہے۔ جو اس قسم کے تکلفات کو سجادگی کے لیئے ضروری خیال نہیں کرتے۔ ایک سجادہ نشین صاحب کو جب میں نے داڑھی رکھنے کا مشورہ دیا۔ تو وہ ہنس کر بولے۔ آج کے مُرید کو داڑھی کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف اثر و رسوخ چاہتا ہے۔ تاکہ دنیاوی کاروبار میں استفادہ کر سکے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ محکمہ اوقاف کے قیام سے پہلے جس قدر سجادہ نشین حضرات خانقاہوں سے مربوط تھے۔ ان میں درویشی کی کوئی خوبو نہ تھی۔ اور نہ ہی صاحب روضہ سے نسبی تعلق پر انہیں کوئی فخر محسوس ہوتا تھا۔ اور ہوتا بھی کیسے کہ جب اعتقاد بھی درست نہ رہا ہو۔ آباء کرام اہلسنت والجماعت مسلک رکھتے ہوں۔ مگر صاحبزادہ شیعہ بن جائے۔ تو وہ یقیناً اپنے اکابرین کو حق پر نہیں سمجھے گا۔ یا پھر اُنہیں بھی شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ جیسا کہ بخاری سادات کا دعویٰ ہے کہ:۔

"حضرت سید جلال بخاری اور حضرت مخدوم جہانیاں رحمہم اللہ علیہم مذہباً شیعہ تھے اور وہ شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا علیہ الرحمتہ کے مُرید بھی نہ تھے۔ الدر المنظوم اور اس جیسی دوسری کتابیں جن میں اُن کا حضرت زکریاؒ کا مُرید ہونا درج ہے۔ یہ تحریف شدہ ہیں اور مولوی لوگوں نے اپنی طرف سے یہ قصے کہانیاں درج کر دی ہیں۔"

جن دنوں تذکرہ حضرت صدرالدین عارفؒ جلد دوم زیر تدوین تھا۔ ایک قریشی صاحب سے ان کے نسب کے بارے میں خط و کتابت کی گئی۔ انہوں نے لکھا کہ مجھے حسب نسب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ جو چاہیں میرے بارے میں لکھ دیں۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ سوائے نسبی تفوق کے ان میں اور کوئی خوبی نہیں ہے۔ ارب ہا مالیت کی اراضیات، کوٹھیاں، بنگلے، شاہانہ ٹھاٹ باٹھ، موٹر ووٹر، صوبائی اسمبلی کی ممبری، یہ سب کچھ نسب کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ اگر کسی بزرگ سے انہیں نسبی تعلق نہ ہوتا تو آج انہیں کوئی دمڑی کو بھی نہ پوچھتا اور نہ ہی یہ اراضیات

Marfat.com

بنگلے، کوٹھیاں نسلاً بعد نسلٍ انہیں منتقل ہوتیں۔ اسی طرح سجادہ نشین حضرات بھی اسی فریب میں مبتلا ہیں کہ چونکہ وہ صاحبِ روضہ کی اولاد ہیں۔ اِس لیے سجادگی اُن کا حق ہے۔ حالانکہ جن دِنوں صوفیاء کے سلاسل زندہ تھے اور امر بالمعروف و نہی منکر میں مصروف تھے۔ اُس وقت نسلی اِمتیاز کا ذکر بھی گوارا نہ تھا۔ بقول مولانا جامیؒ ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کُن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

یہ صحیح ہے کہ بعض سلاسل میں سجادگی کا منصب متوارثاً چلا آیا ہے۔ مگر وہ بزرگ اپنی زندگی میں ہی اپنی اولادیں سے جس کو زیادہ قابل اور لائق پاتے تھے اُسے خلقِ خدا کو ہدایت کے لیے تیار کرتے تھے۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا علیہ الرحمتہ نے اپنے صاحبزادے الشیخ العارف صدرالدین محمد رضی اللہ عنہ، کو خود تعلیم دی۔ درویشی کی تمام منزلیں طے کرائیں۔ اور اپنی زندگی میں ہی اُنہیں ہر لحاظ سے مسندِ ارشاد پر جلوۂ گر ہونے کے قابل بنا دیا۔ حضرت قطب الاقطاب شاہ رُکنِ عالم علیہ الرحمتہ نے جدِ بزرگوار اور والد ماجد دونوں سے اِستفادہ اور استفاضہ فرمایا۔ حضرت عماد الدین اسمٰعیل شہید علیہ الرحمتہ نے بلخ بخارا اور ماوراء النہر تک علومِ متداولہ کی تحصیل کے لیئے سفر کیا تھا۔ شیخ صدرالدین محمدؒ نے حضرت سلطان التارکین حمیدالدین حاکمؒ کی اتالیقی میں علم و عمل کی تمام منزلیں طے کی تھیں شیخ الاسلام رکن الدین اسمٰعیلؒ کے نام کے ساتھ "سمرقندی" کا لفظ ہی اس امر کی شہادت دیتا ہے۔ کہ حضرت کی عمر شریف کا بیشتر حصہ سمرقند میں بسر ہوا۔ قادری سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقادرؒ اپنے والد ماجد مخدوم سید حامد جہاں بخش علیہ الرحمتہ کے بڑے فرزند تھے۔ مگر سجادگی حضرت مخدوم سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید قدس سرہٗ کے حصے میں آئی۔

Marfat.com

سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے قابل ترین صاحبزادے موجود تھے مگر جانشینی کی سعادت حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء دہلوی کو نصیب ہوئی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے یہ نعمت حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو پہنچی۔ حالانکہ حضرت کے اعزا واقارب میں خواجہ سیّد محمد امام جیسے بزرگ موجود تھے۔ جو آسمانِ فقر و ولایت کے آفتاب و ماہتاب خیال کیئے جاتے تھے۔ جب تک سجادگی کا منصب صلاحیت کی بناء پر تفویض ہوتا رہا۔ خانقاہوں کا نظم و نسق صحیح لائنوں پر چلتا رہا۔ اور جونہی اہلیت ختم ہوئی۔ تمام انتظام تلپٹ ہو کر رہ گیا۔ خانقاہی نظام کے احیاء اور بقا کے لیئے ضروری ہے کہ اہل اللہ کی اولاد میں سے ذہین افراد کی اس نہج پر تربیت کی جائے کہ وہ آبائے کرام کی مسند کے قابل بن سکیں۔

## جامعہ اسلامیہ پاکستان

حکومتِ پاکستان کا یہ کارنامہ کچھ کم قابلِ تعریف نہیں کہ اس نے اسلام آباد میں جامعہ اسلامیہ کا قیام عمل میں لا کر ملک و ملّت کی اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ صوفیانہ تعلیمات کے احیاء کے لیئے الگ ادارہ قائم کرنا نہ موزوں ہے اور نہ ممکن۔ اس لیئے ضروری ہے کہ جامعہ کے اندر ضمنی طور پر صوفیانہ تعلیمات کا انتظام کیا جائے۔ تصوّف کا سلیبس تیار کرنا علمائے تصوّف کا کام ہے۔ تصوّف کو ایک مستقل مضمون کا درجہ دیا جائے۔ جس میں کتابی پرچے کے ماسوا ایک عملی پرچہ بھی ہونا چاہیئے متصوّفین حضرات کے لیئے یہ مضمون لازمی اور دوسروں کے لیئے اختیاری قرار دیا جائے۔ اس شعبہ میں ہر شخص کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور اعتقاد کے داخلہ ملنا چاہیئے۔ بالخصوص سجادگان کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی اولاد کو جامعہ میں داخل کرائیں۔ اور وہ اس

Marfat.com

یونیورسٹی سے تصوّف کی اعلیٰ ڈگری حاصل کریں۔

## تصوّف کا سلیبس

تصوّف کی تعلیم مقامی مروّجہ زبانوں میں دی جائے سرکاری درس گاہوں میں قرآن مجید اور علومِ متداولہ کا جو سلیبس چلتا ہے۔ وہ ان کے لیئے بھی قابلِ عمل ہے۔ صرف فرق یہ ہو گا۔ کہ تصوّف کے طلباء کو تحتانی طبقے میں قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ حفظ کرنا لازمی ہو گا۔ جسٹس الحاج پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم اے الازہر کی تفسیر شاملِ نصاب کی جائے۔ تصوّف کے لیئے کتابوں کا انتخاب میرا کام نہیں۔ اور نہ ہی فردِ واحد یہ عظیم خدمت سر انجام دے سکتا ہے متصوّفین حضرات کی کتابیں اگرچہ کمیاب ہیں۔ تاہم نایاب نہیں۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی، داتا گنج بخش، حضرت غوث الاعظم سیّدنا عبدالقادر جیلانی، شیخ الشیوخ شہاب الدّین سہروردی، نجم الدین کبریٰ، شیخ الاسلام بہاء الدّین زکریّا ملتانیؒ۔ شیخ صدرالدّین قونویؒ میر حسینی۔ مولانا عراقی۔ مولانا جامی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ حضرت مجددِ الف ثانیؒ۔ سیّد جلال بخاریؒ حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاریؒ نے تصوّف کے موضوع پر کافی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان سب کو شاملِ نصاب کرنا بعید مشکل ہے۔ صوفی علماء کی ایک مجلس ان کتب کی بنیاد پر سلیبس تیار کر سکتی ہے۔ یہ ان کی صوابدید پر منحصر ہے کہ کتابوں کا اصل متن شاملِ نصاب کریں۔ یا ان کے تراجم یا تراجم کے بھی اقتباسات ہوں۔ عہدِ حاضر میں یہ ضروری نہیں رہا کہ کسی طالب علم کو تمام زبانوں پر عبور حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے۔ کم و بیش تمام کتابوں کے تراجم ہو چکے ہیں اور اگر کسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے تو اب کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال نصاب تک ان کتابوں کا سلیبس چلے گا۔ ایم اے کے بعد تصوّف کی ڈاکٹریٹ یعنی مدرسۃ المشائخ کی ڈگری ہے۔ دو سال کے

Marfat.com

عرصے میں اس امتحان کی تیاری کی جا سکتی ہے، لیکن یہ سب کچھ اُمیدوار کی صلاحیّت پر منحصر ہے۔ تصوّف کی ڈاکٹریٹ کے لیئے ضروری ہے۔ کہ اُمیدوار تصوّف کے تمام اسرار و رموز پر عبور کرلے، تصوّف کے تمام سلاسل اور ان کے اشغال سے واقفیت تامہ پیدا کرے، صوفی مذاق شعراء حافظ، مولانا رومؔ، مولانا جامیؔ، سعدیؔ حسینی، عراقی، اقبالؔ، بیدمؔ، مظہر جانجاناں، میر دردؔ، خواجہ غلام فریدؔ، شاہ لطیفؔ، بلھے شاہ، امیر خسروؔ، نظامیؔ گنجوی - بوعلی شاہ قلندرؔ، منشی غلام حسن ملتانی، اور اس قبیل کے دوسرے شعراء کے کلام کو سمجھ سکے اور بطن شاعر کی کنہہ تک پہنچنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ ذکر کی مختلف صورتیں، اشغال کی مختلف کیفیتیں، سماع، وحدت وجود، ہمہ اوست و ہمہ از دوست کا مابہ الامتیاز، جسم و روح کا تعلق، روح کا ارتقاء، اربعین، تصفیۂ قلب۔ تجلّیاتِ حق، تجلی الوہیت، ثمراتِ عشق اِن تمام سے بہرہ وافر رکھتا ہو۔ تصوّف کی ڈاکٹریٹ ان مسائل پر محیط ہوگی۔ سلیبس کی کمیٹی ایسے فاضل حضرات پر مشتمل ہونی چاہیئے جو تصوّف کی راہ و رسم منزلہا سے بخوبی واقف ہوں۔

---

Marfat.com

# روحانی عوارض اور اُن کا علاج

ارشادِ ربّانی ہے کہ ہم نے بہت سے انسان دوزخ کے لئے ایسے بنائے ہیں۔ جن کے دِل تو ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں۔ آنکھیں تو ہیں لیکن دیکھتے ہیں۔ اور کان تو ہیں۔ لیکن سنتے نہیں۔ اَعْیُنٌ لَا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اٰذَانٌ لَا یَسْمَعُوْنَ بِھَا۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ "وہ ظاہری آنکھوں سے اندھے نہیں بلکہ سینوں کے اندر اُن کے دِل اندھے ہیں۔ دِل کے معالجے کے بارے تمام حاذق حکیم مختلف الرائے ہیں ہر ایک نے ایک خاص طرز سے علاج شروع کیا ہے۔ لیکن قانونِ الٰہی کے باہر کسی نے قدم نہیں رکھا۔ بعض نے اخلاق کو تبدیل کرنے اور سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ ہر بُری صفت کا عِلاج اس کی ضد سے کیا ہے بمصداق اَلْعِلَاجُ بِاَضْدَادِھَا علاج اُن کے اضداد سے کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ طبیب گرمی کو سرد شربتوں سے دُور کرتے ہیں اور سردی کا علاج گرم معجونوں سے کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ کرام پہلے تصفیۂ قلب کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ کہ تبدیل اخلاق کی۔ کیونکہ جب دِل کا تصفیہ حاصل ہو جائے تو وہ فیضِ حق کے قابل ہو جاتا ہے اور پھر فیضِ حق کے اثر سے تھوڑی مدّت میں نفسانی صفات خود بخود اصلاح پذیر ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ عمر بھر کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے یہ نتیجہ مرتّب نہیں ہوتا۔

**مشیخ کی تربیّت** تبلیغ و ہدایت کی رُو سے شیخ کا مرتبہ اپنے مریدوں میں

وہی ہے جو نبیؐ کا اپنی اُمّت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں: اَلشَّیخُ فِی قَومِہٖ کَالنَّبِیِّ فِی اُمَّتِہٖ

حدیث قدسی میں آیا ہے اَولِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَایَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں۔ جنہیں میرے سوا کوئی پہچان نہیں سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو مرتبۂ نبوّت، درجۂ رسالت اور اولوالعزمی کی تکمیل کے لیئے پہلے دس سال حضرت شعیب علیہ السّلام کی خدمت کرنا پڑی، پھر کہیں مکالمۂ حق کا درجہ عطا ہوا۔

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
کہ چند سال بجاں خدمتِ شعیبؑ کند

کلیم اللہ ہونے کی سعادت حاصل ہونے کے باوجود علم لدّنی کی ابجد سیکھنے کے لیئے اُنہیں خضر علیہ السّلام سے درخواست کرنا پڑی۔ اس راستے کا نادان مسافر وہ ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ وصالِ ذوالجلال کے بے کنارہ جنگل کو بغیر کسی راہنما کے طے کر لے گا۔ اور اگر کوئی صاحب ہمّت سالک اپنے قدم کی قوّت سے اس راہ کو طے کرنا چاہے تو سالہا سال کے عرصے میں وہ ایک مقام کو بھی طے نہ کر سکے گا۔ کیونکہ مبتدی کی سیر کمزور چیونٹی کی رفتار سے بھی کم ہوتی ہے۔ نیز اِس راہ میں بعض ایسے مقامات آتے ہیں۔ جنہیں اُڑ کر عبور کیا جاتا ہے اور سالک کی ابتدائی صورت تو انڈے کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک اُس کے پَر نہ نکلیں۔ وہ کیسے اُڑ سکتا ہے۔؟

---

لہ مرصاد العباد اردو از خواجہ نجم الدّین کبریٰؒ ص ۱۴۵

Marfat.com

الغرض جب مُرید صادق شیخ کا جمال آئینۂ دِل میں مشاہدہ کرتا ہے تو فوراً اُس کے جمال پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اُس کا آرام و قرار جاتا رہتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰؒ لکھتے ہیںؒ۔ کہ تمام سعادتوں کا سرچشمہ یہی بیقراری اور عاشقی ہے اور جب تک مُرید شیخ کی ولایت کے جمال پر عاشق نہ ہو جائے۔ وہ اپنے اختیار اور ارادت کے تصرّف سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور ارادتِ شیخ کے تصرّف کو قبول نہیں کر سکتا۔

جب مرید تصرّفِ شیخ کی قبولیّت کی شائستگی حاصل کر لیتا ہے تو شیخ اُسے انڈے کی طرح اپنی ولایت کے پر و بال کے تصرّف میں لے لیتا ہے۔ اس وقت مُرید واقعی انڈے کی طرح ہوتا ہے۔ جو اپنی بشریّت اور انسانیّت کی بیضگی میں بند ہوتا ہے شیخ اس پر اپنی اعلیٰ ہمّت صرف کرتا ہے۔ اور اس کے حال پر توجّہ رکھتا ہے۔ انجام کار اُس کی ہمتِ کیمیا اثر کا تصرّف مُرید کے بیضہ "صفتِ وجود" کو بدل کر "عبدیتِ خاص" کے وجود میں لے آتا ہے۔ جیسے چوزہ انڈے کو توڑ کر دُنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اسی طرح سالک کو شیخ کی ہمت کا تصرّف "ملکوت" کے دریچہ سے "ہوا ہویت" کے میدان میں لے آتا ہے۔ اُب تک اگر وہ دُنیاوی اِنسانیّت کا بیضہ تھا۔ تو اب حق تعالیٰ کی "عبدیتِ خاص" کا مُرغ بن گیا۔ لیکن ابھی اس نے کئی ایک مقامات طے کرنے ہوتے ہیں۔ توحید ایمانی۔ توحید الیقانی، توحید احسانی، توحید عیانی اور توحید عینی جب تک سالک ان سب مراحل کو طے نہ کر لے۔ تب تک وحدت کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو بحرِ احدیّت کا ساحل ہے۔ ان مقامات کی شرح بہت طویل ہے۔ لیکن یہ سب اخلاق کی تبدیلی سے طے نہیں ہوتے۔ مگر تصفیۂ قلب اور "توجّہ بحق" سے جب مرید ظاہری تجرید اور باطنی تفرید سے عہدہ برآ ہوتا ہے اُسی قدر تصفیۂ قلب

---

لہ مرصاد العباد۔

میں خلوت کی مداومت اور ذِکر کی کثرت اس کا معمول بن جاتا ہے یہاں تک کہ مسلسل تخلیہ سے اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں جس سے محسوسات کی آفتوں کا خطرہ نہیں رہتا۔ کیونکہ دلی حجاب اور کدورتیں زیادہ تر محسوسات میں حواس کے تصرّف سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اب صرف شیطانی وسوسے اور خواہشات باقی رہ جاتی ہیں۔ جن سے دِل بکدّر اور مشوّش ہوتا ہے۔ اُن کی راہ خطرات کی نفی اور ذِکر کی مداومت سے رُک سکتی ہے۔

## ذِکر کے آداب

صوفیائے کرام نے ذِکر کے لیئے چند شرائط اور آداب مقرّر کیئے ہیں۔ جن کا بجالانا بیحد ضروری ہے تاکہ ذِکر سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکیں۔ ذِکر اذکار کے لیئے تخلیہ بیحد ضروری ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کئی کئی دِن غارِ حرا میں مصروفِ عبادت رہا کرتے تھے۔ اسلام نے اپنی اصطلاح میں اسے " اِعتکاف " سے موسوم کیا ہے۔ ویسے تو اس کی کوئی حد مقرّر نہیں۔ بعض مشائخ عُمر بھر معتکف رہے ہیں۔ لیکن معمولی طور پر مشائخ نے حدِّ اعتکاف چالیس یوم مقرّر کی ہے۔ عربی میں اربعین اور سرائیکی چِلّہ (جو چہل کی بگڑی ہوئی صورت ہے) کہتے ہیں کہ یہ ذہنی انتشار کا مجرّب علاج اور قلب کی یکسوئی کا بہترین ذریعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص صِدقِ دِل سے چالیس یوم ذِکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اس کے قلب سے زبان کی طرف حکمت و دانائی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جو شخص خلوصِ دِل اور خالی پیٹ سے چالیس دِن عبادتِ الٰہی میں گذارے۔ ہم اس پر علومِ دِینیہ کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

ذیل میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی ایک اور تصنیف "شروطِ اربعین" کا ملخص درج کیا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نے معتکفین کے لیئے ایک روشن اور واضح راہ متعین کر دی ہے۔ اگر سالک ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے تو اللہ جل شانہ، کا دیدار نصیب ہوتا۔ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص اعتکاف میں بیٹھنا چاہتا ہے ضروری ہے کہ وہ اعتکاف میں آنے سے پہلے اس نیت سے غسل کرے۔ گویا یہ اس کا آخری غسل ہے اور وہ مُردہ ہے۔

جیسا کہ مشائخ کا قول ہے۔ مرید کے واسطے خلوت نشینی لازم ہے اور وہ لذاتِ دُنیوی کو ترک کر کے اپنے آپ کو مُردہ تصوّر کرتے ہوئے غسل کرے۔ اور خیال کرے۔ کہ میں خداوند کریم کے دستِ رحمت سے غسل کر رہا ہوں۔ جیسا کہ غسّال مُردے کو غسل دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا ع

خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی

اس موت کا مطلب حقیقی یہ ہے کہ طالب اپنے آپ کو عدم حظوظ نفس اور ترک ہوا میں مُردہ تصوّر کرے۔ اور یہی موت کی نیّت ہے ؎

بمیری گر بمردن خو بگیری

بمیر از خویش تا ہرگز نمیری

۲۔ سالک کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے دل میں نیّت کرے۔ کہ میں نے خلقِ خدا کو بہت تکلیف دی ہے۔ اور اب اس حالتِ اعتکاف میں خلق میرے شر سے امن میں رہے۔ دل میں یہ نیّت نہ ہو۔ کہ اس اعتکاف سے میں اپنے آپ کو خلق خدا سے بچا کر رکھوں۔ اور اُن کے شر سے محفوظ رہوں۔

Marfat.com

۳:۔ اعتکاف حجرہ یا مسجد میں کریں۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَ اَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدْ

یعنی تم اعتکاف مسجد میں کیا کرو۔

۴۔ سالک کو چاہیئے۔ کہ اعتکاف کی حالت میں اہل وعیال سے دُور رہے۔ کہ یہ موجبِ فتنہ ہیں۔ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

۵۔ سالک کو مناسب ہے۔ کہ ماسوی اللہ ہر قسم کے تفکّرات اور وساوس کو دُور کردے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یعنی جب تُو ماسوی اللہ کو ترک کردے تو اپنے اللہ کا ذِکر کر۔

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند

کوتہ نظرانند چہ کوتاہ نظرانند

۶:۔ سالک کے لیئے ضروری ہے۔ کہ ہمیشہ کلمہ طیّبہ (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) کا ذکر جاری رکھے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:۔

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا

یعنی اے ایمان والو! خدا سے ڈرو۔ اور کلمہ شریف کا ورد کرو۔

رفتم بطبیبے کہ زحق آگاہ است ، برتختِ ولایتِ حقیقت شاہ است

گفتم کہ دوائے دِل بیمارم چیست خوش گفت کہ لا الٰہ الا اللہ است

۷۔ سالک کو چاہیئے۔ کہ قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ کرے اور اس میں غور وخوض کرے جیساکہ کلام ربّانی میں ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی جو لوگ حالتِ قیام وقعود اور لیٹے ہوئے

Marfat.com

اپنے مولا کا ذکر کرتے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی پیدائش اور ان کی نیرنگیوں میں سوچتے ہیں اور غور کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً "کہ ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"

با ہر کہ ذکر و فکر نمودند ز ابتداء
ذکرش چو شہد آمد و فکرش چو انگبیں

۸:۔ کھانے میں اعتدال اور احتیاط چاہیئے۔ نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید۔ قَوْلُہٗ تَعَالٰی کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔

چو خوری بیش بہیل باشی تو
کم خوری جبرئیلؑ باشی تو

ہمیشہ حلال کھاؤ اور جو شخص چالیسؓ یوم کسب حلال سے لقمہ کھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منوّر فرماتے ہیں اور اس کے قلب سے زبان کی طرف حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور لباس ــــ!

بہترین لباس جو تمہارا ہونا چاہیئے۔ وہ پرہیز گاری ہے۔

۱۰:۔ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے اپنے شیخ طریقت سے اجازت ضروری ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ اے مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اور ہمیشہ صادقین (اولیائے کرام) کی رفاقت اختیار کرو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"شیخِ طریقت اپنی قوم میں ایسا ہے۔ جیسے نبی اپنی اُمّت میں ہوتا ہے۔ اور جس کا مُرشد نہیں ہوتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے"

Marfat.com

شیطان آنکس کہ بعالمش بناشد پیرے
از قولِ نبیؐ مُرید شیطاں باشد

یعنی فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ جس شخص کا شیخ نہیں ہے وہ شیطان کا مُرید ہوتا ہے ؎

تا تو نرسی بشیخ باحق نرسی
زیرا کہ میانِ شیخ وحق نیست دوئی

یعنی اے درویش! جب تک تُو شیخ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوگا۔ خدا تک نہیں پہنچ سکے گا۔ کیونکہ شیخ اور حق کے درمیان دوئی نہیں ہے

۱۱۔ ہمیشہ وضو سے رہنا چاہیئے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی رِجَالٌ یُحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ؎

باوضو باش در ہمہ اوقات
تا ترا نورِ دل فتریں باشد
ہر وضو کس مواظبت نکند
غیر مومن کہ پاک دیں باشد

قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْوُضُوْءُ سَلَاحُ الْمُوْمِنِیْنَ۔ یعنی حضور فرماتے ہیں وضو مومن کا ہتھیار ہے اور وہ اس کے طفیل جن اور شیاطین سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۲۔ نیند نہ کرو اور اپنا پہلو زمین پر نہ لگاؤ۔ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؎

درخواب مشو کہ خواب با مرگ است جفت ، از خواب کسے راگُلِ شادی نشگفت

مَنْ اَنْقَطَعَ اِلَی اللّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا مُخْلِصًا مُتَعَابِدًا لِنَفْسِہٖ تَحَفَّتْ مُ الْمِعْدَۃُ یَفْتَحُ عَلَیْہِ عُلُوْمَ الدِّیْنِیَّۃِ ارشادِ ربانی ہے۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً۔

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس شب کا وعدہ کیا پھر دس اور میں پورا کیا۔ اس طرح تیرے ربّ کا وعدہ پورے چالیس یوم میں تکمیل کو پہنچا۔

## اربعین لیلہ

مولانا ابو الکلام آزاد اربعین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ چالیس یوم کی تحدید اور قید میں یہ حکمت ہے کہ حضرت اللہ جلّ شانہ، نے آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس دن رکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے خَمَّرَ اللّٰہُ طِیْنَۃَ آدَمَ بِیَدِہٖ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا یعنی حضرت اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس دن خمیر میں رکھا۔ دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ قلبِ انسانی میں چالیس پردے ہیں جو اربعینہ سے چالیس کے چالیس کھل جاتے ہیں "عوارف" کی اصل عبارت یہ ہے:۔

اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا بِہٖ اَرْبَعِیْنَ حِجَابًا لِّنْ یَحْضُرَتَ الْاِلٰھِیَّۃَ فَاِذَا تَمَّتَ الْاَرْبَعُوْنَ زَالَتِ الْحُجُبُ وَصُبَّتْ عَلَیْہِ۔

مولانا ابو الکلام نیز فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کے لئے پہاڑ پر چڑھے تھے۔ تو وہ چالیس روز اللہ کے حضور بدلی میں رہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جو کوہ سعیر دکوہ زیتون سے برآمد ہوئے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ خدا کی منادی شروع کرتے جنگل میں چالیس دن رات بھوکے پیاسے رہے۔

اسی طرح پیغمبر بھی جو کوہ فاران سے ظہور کرنے والے تھے اس سے قبل کہ حضور دس ہزار قدوسیوں کے ہمراہ منظرِ عام پر آتے کئی یوم (اربعین) خدا کے حضور میں بھوکے اور پیاسے رہے۔

## حرا کا عزلت نشین

مکہ مکرمہ سے تین میل کی مسافت پر رمضان کے پہلے ایام میں جبکہ سخت گرمی کے دن تھے اور شدت حرارت سے ریگستان بطحا کا ذرہ ذرہ تنور بنا ہوا تھا۔ کوہ حرا کے مختصر سے غار میں مادیات عالم سے ایک کنارہ کش انسان سر بہ زانو تھا۔ وہ بھوکا تھا۔ لیکن بھوکا نہ تھا۔ اس کے پاس کھانے کی وہ چیز تھی جس کو کھا کر انسان کبھی بھوکا نہیں رہتا۔ وہ پیاسا تھا۔ لیکن پیاسا نہ تھا۔ اس کے پاس پینے کی وہ چیز تھی جسے پی کر انسان عمر بھر پیاسا نہیں ہوتا۔ وہ تین تین چار چار دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتا تھا۔ اس کے جان نثار بھی اس کی محبت میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن وہ ان کو منع کرتا تھا۔

وہ حرا کا مقدس عزلت نشین اسی طرح بھوکا پیاسا سر بزانو تھا۔ کہ ایک نور نظر آیا۔ وہ کیا تھا۔ ہدایت وفرمان کا ایک آفتاب تھا جو مطلع فطرۃ القدس سے طلوع ہو کر اس کے سینے میں غروب ہو گیا فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِكَ (البقرہ) اور پھر اس کے سینے سے نکل کر اس کی شعاعوں نے دنیا کو روشن کر دیا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرت ؐ کو ہر طرح کی تاریکیوں کو مٹانے کے لیے ایک روشن و منور چاند کی طرح دنیا میں مبعوث فرمانا چاہا۔ تو پہلے اپنے نبیؐ کو کئی اربعین کی منزلوں سے گذارا۔ چالیس یوم سے چالیس پردے اور حجابات دور ہو جاتے ہیں جب چالیس یوم ختم ہوتے ہیں تو حجابات رفع ہو کر قلب میں علوم و معارف کے خزانے ڈال دیئے جاتے ہیں جن کے ساتھ عظمت الٰہی کا نور وابستہ ہوتا ہے۔ الغرض اعتکاف بڑے فضل وبرکت کی چیز ہے۔ مگر اس کے لیے چند شرائط کی بجا آوری نہایت ضروری ہے۔ ان کے بغیر خاطر خواہ فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ اسی خیال کے پیش نظر حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ اپنے مریدوں کے لیے "الاوراد" کے نام سے ایک مبسوط دستور العمل مرتب فرمایا تھا جو اب تک سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں زیر عمل چلا آتا ہے۔

Marfat.com

سرخیز و نیاز کن بدرگاہِ خدا ، کاندر لحد تنگ بسے خواہی خفت

۱۳۔ معتکف کو چاہیئے۔ کہ ہمیشہ روزہ دار ہے۔ جیسا کہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے ؎

وَلا اِعْتِکَافَ اِلّاَ بِصَومٍ
وَلا اِعْتِکَافَ فِیْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ

یعنی روزہ کے سوا اعتکاف درست نہیں اور اعتکاف ہمیشہ مسجد میں ہونا چاہیئے۔

(نوٹ) جامع مسجد کا ارشاد ثواب کی زیادتی کے لیئے ہے۔ ورنہ محلے کی مسجد میں بھی اعتکاف جائز ہے۔

۱۴۔ پانچوں وقت نماز کا باجماعت ادا کرنا اعتکاف کی نہایت ضروری شرط ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَارْکَعُوا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ ؎

چوں نماز است احسن الاعمال
باجماعت نماز بگذارید

یعنی جب نماز احسن الاعمال ہے تو ضروری ہے کہ اسے جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے

۱۵۔ معتکف کو چاہیئے کہ وہ علم حاصل کرے۔ تاکہ اس کے ذریعے حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:۔

فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

ایک فقیہ (عالم) شیطان کے مقابلہ میں ہزار عابد سے زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ یعنی اگر ہزار عابد مل کر شیطان کو بھگانا چاہیں تو شاید وہ نہیں بھگا سکیں گے۔

Marfat.com

لیکن ایک باعمل عالم اُسے فوراً چاروں شانے چت گرا دے گا۔

۱۶۔ معتکف کو لازم ہے۔ کہ دنیا کی فضول باتوں سے ہمیشہ اجتناب کرے اور خاموشی کو اپنا وطیرہ بنائے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ

انسان جو کلام کرتا ہے اور جو کچھ بولتا ہے۔ اس کو اس کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی زبان پر پہرے دار مقرر ہیں۔ لیکن مطلق خاموشی بھی درست نہیں۔ معتکف کو چاہیئے۔ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے زبان بند نہ کرے۔

۱۷۔ معتکف کو چاہیئے۔ کہ جائے اعتکاف سے سوائے حاجتِ انسانی۔ (بول و بزار) کے باہر نہ آئے۔ اور اگر بلا عذر شرعی باہر چلا آئے گا۔ تو اس کا اعتکاف نہ رہے گا۔

۱۸۔ ہمیشہ اپنی نظر اور معہود ذہنی عقبیٰ ہی کی طرف رکھے۔ اور دُنیائے دوں کی طرف رغبت نہ کرے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہم اس کی کھیتی میں برکت اور زیادتی عطا کریں گے اور جو شخص اس دنیا کی کھیتی اور خیر و برکت چاہتا ہے۔ تو اسے یہ عنایت کریں گے۔ مگر آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا۔

۱۹۔ معتکف کو چاہیئے۔ کہ دنیا کے عیش و آرام اور فانی نعمتوں سے مجتنب رہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے۔ وہ باقی رہے گا۔

Marfat.com

۲۰۔ اپنے دل کو فضولیات سے پاک کرے۔ جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں :۔
اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ؟ "کیا اللہ اپنے بندوں کے لیئے کافی نہیں ہے ۔"

۲۱۔ معتکف کو لازم ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرے ۔ جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں "جو لوگ ہماری طرف سعی اور جدّ وجہد کریں گے ۔ ہم انہیں اپنا راستہ دکھائیں گے ۔" (القرآن)

حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں "جو لوگ دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کے شائق ہیں ۔ وہ قیامت کے دن امن میں ہوں گے ۔"

۲۲۔ معتکف کو ہمیشہ یادِ حق میں مصروف رہنا چاہیئے ۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ۔ "میرے بندوں کا خاصہ ہے کہ وہ ہر وقت مجھے یاد کرتے ہیں خواہ قیام اور قعود میں ہوں خواہ لیٹے ہوں ۔"

۲۳۔ طالبِ مولیٰ کو چاہیئے ۔ کہ تلاوتِ قرآن پر مداومت کرے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔ "یہ قرآن مجید ایسا راستہ دکھاتا ہے جو نہایت سیدھا اور مستقیم ہے ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں ۔ کہ قرآن مجید اور روزے قیامت کے دن شفاعت کریں گے ۔

۲۴۔ طالب مولیٰ کے لیئے ضروری ہے ۔ کہ نفع و نقصان اور خیر و شر میں خداوند کریم کی تقدیر پر شاکر رہے اور رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھے ۔ اللہ جلّ جلالہٗ فرماتے ہیں ۔ "اے بندو ! اگر تم شکر کرو گے ۔ تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا ۔" اور حدیثِ قدسی میں آیا ہے ۔ کہ نعمت کا عطا کرنا ہمارا کام ہے ۔ اور شکر کرنا تمہارا ۔ یعنی آزمائش ہماری جناب سے ہے اور اس پر صبر کرنا تمہارا

Marfat.com

فرض ہے۔ قضا ہماری طرف سے ہے۔ اور اس پر راضی ہونا تمہارا کام ہے۔
ایک بزرگ کا قول ہے ؎

ہر کہ بزم مقرب تر است
جام بلا بیشترش مے دہند

یعنی جو آدمی اس بارگاہ میں زیادہ مقرب اور پیارا ہے۔ اُسی کو آزمائش اور ابتلا کا پیالہ زیادہ ملتا ہے۔

۲۵ :۔ طالب مولیٰ کو چاہیئے۔ کہ اپنا سَر ننگا نہ رکھے۔ بلکہ اُسے ڈھانپ کر رکھے۔

۲۶ :۔ معتکف کے لیئے ضروری ہے کہ سر منڈائے۔ اور موئے لب سُنّت کے مطابق رکھے۔

۲۷۔ پاؤں ننگا رکھنا مناسب نہیں۔ جُوتے کا استعمال ضروری ہے۔

۲۸ :۔ طالب مولیٰ کو مناسب ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ نہ کرے اور اُوپر کو نہ دیکھے ایک صاحبدِل کا مقولہ ہے ؎

سالکاں از بار اندوہ برنے دارند سر
یعنی "سالک بار اندوہ سے سَر نہیں اُٹھاتے"،

۲۹ :۔ معتکف کو چاہیئے۔ کہ ایسے مشاغل اور تعلّقات ترک کر دے جو اس کے اور محبوبِ حقیقی کے درمیان حجاب کا باعث بنتے ہوں۔

۳۰ :۔ ضروری ہے کہ معتکف اپنے آپ کو عُجب اور تکبّر سے بچائے رکھے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدّین عمر سہروردیؒ فرماتے ہیں۔ کہ انسان میں یوں تو عیب بہت ہیں مگر سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اپنی اطاعت پر گھمنڈ اور غرور کرے۔

Marfat.com

۳۱۔ طالب مولیٰ کو چاہیئے۔ کہ "خلوت" دین کی سلامتی کے لیئے اختیار کرے نہ شہرت اور ناموری کے واسطے۔ کیونکہ اس شہرت میں آفت ہے ؎

گر شہرہ شوی بہ شہر شر النّاسی
ور گوشہ نشینی تو، ہم از وسواسی
آں بہ کہ اگر خضر اگر الیاسی
کس نشناسد ترا کس رانشناسی

یعنی اگر تُو جہاں میں شہرت پیدا کرنا چاہتا ہے تو شر النّاس ہے اور اگر گوشہ نشین ہے تو بھی شہرت تجھے تباہ کر دے گی۔ خواہ تو خضر اور الیاس کیوں نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ تُو ایسی حالت میں زندگی بسر کر۔ کہ نہ تُو کسی کو جانے اور نہ کوئی تجھے پہچانے۔

۳۲۔ تقدیرِ الٰہی پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ "جو شخص میری تقدیر پر راضی نہیں رہ سکتا اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا میری نعمتوں پر شاکر اور میرے عطیات پر قانع نہیں ہوتا۔ اُس کو چاہیئے۔ کہ کوئی اور خدا تلاش کرے۔"

۳۳:۔ ایسے وساوس اور جو خطرات کو جو آفت میں ڈالنے والے ہیں۔ دِل سے نکال دے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"یہ شرط بیحد اہم ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کا دِل غیر سے خالی نہیں ہوگا خدا کا ذکر اس میں ہرگز اثر پیدا نہیں کرے گا۔

۳۴:۔ نمازِ جمعہ بالالتزام ادا کرنی چاہیئے

۳۵:- ایک صاحب حال کا ارشاد ہے

بخشش و فضلِ حق ز حد بروں ، ہست ایں قول درجہاں شائع
آنکہ بر کافراں ببخشاید ، مسلماں را کجا کُند ضائع

۳۶:- ضروری ہے کہ خلوت میں بھی ادب پیش نظر رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ بے ادب انسان کو شرف حاصل نہیں ہوگا۔

۳۷:- حضرت خواجہ نجم الدّین کبریٰ ذکر کے آداب میں لکھتے ہیں کہ جائے اعتکاف خالی، صاف، پاک، چھوٹی اور تاریک ہو۔ کیونکہ ایسے مکان میں دلجمعی اور یکسوئی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

۳۸- کوئی خوشبودار چیز جلائے یا پاس رکھے۔ تاکہ قلب و دماغ پر خوشگوار اثر ہو۔

۳۹- قبلے کی طرف رُخ کر کے مربع بیٹھے۔ باقی حالتوں میں مربع بیٹھنا منع ہے صرف ذکر کے وقت اس طرح بیٹھنا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد آفتاب نکلنے تک مربع بیٹھا کرتے تھے[1]

ناشر
قصر الادب رائٹرز کالونی۔ ملتان
طابع
سیّد الیکٹرک پریس ملتان شہر

[1]۔ مرصاد العباد صفحہ ۱۷۶

# کیفیّتِ ذکر

ذِکر کرتے وقت ہاتھ رانوں پر رکھے۔ دل کو حاضر کر کے آنکھیں بند کرے۔ اور بڑے ادب سے اس طرح شروع کرے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔

لَا اِلٰہَ ناف کے نیچے سے لائے اور اِلَّا اللہ کی ضرب دل پر لگائے اس طرح کہ ذِکر کا اثر اور اس کی قوّت تمام اعضاء تک پہنچے۔ لیکن آواز بلند نہ کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ آواز کو روکنے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے ــ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

"اپنے رَب کو دِل میں عاجزی سے پوشیدہ طور پر یاد کرو اور آہستہ بات کرو۔"

اس طریق سے دم بدم ذِکر کرے۔ دِل میں ذِکر کے معنوں کا خیال رکھے۔ اور خطرات کو قریب نہ آنے دے۔ چنانچہ لَا اِلٰہَ کہتے وقت جو خطرہ دل میں آئے۔ اس کی نفی کرے۔ خواہ وہ خطرہ نیک ہو یا بد۔ اور یہ خیال کرے کہ میں نے کوئی چیز اور مقصود طلب نہیں کرنا اور نہ میرا کوئی محبوب ہے۔ "اِلَّا اللہ"، صرف خدا ہی میرا مطلوب، محبوب اور مقصود ہے لَا اِلٰہَ سے نفی کرے۔ اور "اِلَّا اللہ"، سے اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود، محبوب اور مطلوب سمجھے۔ مناسب ہے۔ کہ ہر ایک ذکر کے شروع اور آخر میں نفی اثبات سے حاضر رہے۔ اور ہر وقت دِل کے اندر نگاہ رکھے۔ جس چیز کا خیال دل میں آئے اُسے دُور کر کے خالص اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ ولایت شیخ سے دُعا

Marfat.com

مانگے۔ مگر "لا اِلٰہ" کی نفی سے اِس پیوند کو بھی کاٹ دے۔ اور "اِلّا اللّٰہ" کے تصرّف سے حق تعالیٰ کی محبّت کو شیخ کی محبت کا قائم مقام بنائے۔ اسی ترتیب کے موافق ہمیشہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کا دل تمام دل بستگیوں سے فارغ اور خالی ہو جائے۔ کیونکہ ذِکر کے وقت دِل کا وجد میں آنا ذِکر کی مداومت پر منحصر ہے۔ دل اس وقت جھومتا ہے۔ جب ذِکر کے غلبہ سے ذاکر کی ہستی ذِکر کے نُور میں گھُل مِل جاتی ہے اور ذکر ذاکر کو مفرد بنا دیتا ہے۔ وجودی تعلّقات کا بوجھ اس کے کندھے سے اُتار کر جسمانی دُنیا سے روحانی آخرت کو ہلکا پھلکا بنا کر لاتا ہے۔

## تجلّیاتِ حق

جس وقت دِل کا آئینہ طبیعت کے زنگار سے صاف ہو جاتا ہے۔ تو جمالِ دوست کے آفتاب کے چمکنے کی جگہ اور ذاتِ حق کا جامِ جہاں نما بن جاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں، کہ جس شخص کو قلبی صفائی حاصل ہو جائے اُسے تجلّی کی سعادت بھی نصیب ہو۔ یہ محض فضلِ الٰہی ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ عنایت کرتا ہے۔ مگر اتنا ضروری ہے کہ جو دِل صاف ہو۔ وہ اس سعادت کے قابل ضرور ہو جاتا ہے شیخ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں۔ کہ تجلّیِ حق اچانک آتی ہے۔ لیکن واقف دل پر آتی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ابتداء میں جب دِل کا آئینہ ــــ بشریت و زنگارِ طبیعت سے صاف ہو جاتا ہے۔ تو بعض روحانی صفات دل پر تجلّی کرتی ہیں اور یہ تجلّیات انوار روحانیّت کے غلبہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ذِکر کا نُور انوار روح پر غلبہ کرتا ہے۔ جس سے روحانیّت کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اور لہریں دِل کے ساحل پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ جس سے آئینہ دِل کی صفائی میں تجلّی حق نمودار ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ روح تمام صفات سے تجلّی میں آتی ہے۔ اور یہ

Marfat.com

حالت تمام بشری صفات کے مٹ جانے سے ظہور میں آتی ہیں۔ لیکن تجلّیِ حق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تجلّیِ ربوبیت ہے جو موسیٰ علیہ السّلام پر ہوئی۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ پس جس وقت اس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی کی۔ تو اُسے پاش پاش کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السّلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

**تجلّیِ الوہیّت** یہ تجلّی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہوئی۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ساری ہستی مٹ گئی اور وجودِ محمدی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے عوض ذاتِ الوہیت کے وجود کا ثبوت فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ | بے شک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہے۔ |

اس سعادت کی کمالیّت کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ اس گلستان کے گلچینوں کو اس سرسبد سے یہ گلِ تر عنایت فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّيَدًا وَّلِسَانًا فَبِيْ يَسْمَعُ وَبِيْ يُبْصِرُ وَبِيْ يَبْطِشُ وَبِيْ يَنْطِقُ۔ | بندہ بذریعہ نوافل میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور اس کے لیے کان آنکھ، ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں پھر وہ مجھی سے سنتا ہے۔ مجھی سے دیکھتا ہے۔ مجھی سے ٹٹولتا ہے |

Marfat.com

اور مجھی سے بولتا ہے۔

یہ سعادت ذات الوہیت کی تجلّی کی خاصیت سے ہے۔

الغرض جب سالک سِرّی اور جہری اذکار سے اپنی طبیعت کو لفظ "اللہ" کے مفہوم کی طرف منتقل کرتا ہے۔ تو وہ رحمتِ کاملہ سے اس کے ذہن پر اس طرح متولی ہوجاتا ہے۔ کہ اس کی بصر بصیرت ہر وقت اس مفہوم کی طرف مرکوز رہتی ہے۔ اس کی تمام قوائے دراکہ آنکھ کی طرح اس مفہوم پر ٹکٹکی لگائے رہتی ہیں۔ سوائے اس کے اور کسی طرف متوجّہ نہیں ہوتیں اس وقت تجلّی حق سُبحانہٗ وتعالیٰ سالک کے سب سے لطیف جزو روح سے مل جاتی ہے اور اسے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور "روح" جو عالمِ قدس سے ہے اور قفسِ عنصری میں مقیّد ہوجانے کے سبب اپنی اصل کو بھول چکی ہوتی ہے اور اس کے ادراک کے آئینہ پر زنگ کی تہیں جمی ہوتی ہیں۔ تجلّی کے نور سے جب اس کے زنگ خوردہ ادراک کو جلا نصیب ہوتی ہے۔ تو اسے کمالاتِ حق کا عکس اپنے اندر دکھائی دینے لگتا ہے۔ اُس وقت اُسے اپنا بھولا ہوا وطن یاد آجاتا ہے۔ اور وہ اپنے اصل کی طرف متوجّہ ہوتی ہے اور حظیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ لیکن غبارِ بشریّت مانع ہوتا ہے۔ اس وقت نفس اور روح کے درمیان مزاحمت واقع ہوتی ہے۔ جس سے اس کی روح میں شورش اور گرمی پیدا ہوجاتی ہے اور طالب پر وارفتگی کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔ عقل وفکر برباد ہوجاتی ہے۔ ایسی حالت میں سالک اکثر اوقات قانونِ شریعت اور ادب سے بھی باہر ہوجاتا ہے۔ مکانوں اور مجلسوں میں اس کو وحشت ہونے لگتی ہے۔ آٹھوں پہر آہ وفغاں اور اشکباری سے واسطہ رہتا ہے۔ چہرے کا رنگ زرد پڑجاتا ہے۔ کسی سے ملنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی

Marfat.com

کیفیّت کا نام عشق ہے۔میرے مُرشدِ طریقت، امام الاولیاء زبدۃ الاصفیاء فنافی التوحید حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ نظامی چشتی جو بحرِ عشق کے زبردست شناور تھے۔اس الم انگیز کیفیّت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یارب چہ چشمہ الیست محبّت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرُّہٗ فرماتے ہیں ؎

تا روئے ترا دیدم اے شمع طراز
نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز
چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اربابِ عشق اور مواجید قانونِ شرع کے پابند نہیں رہتے۔ مقصد یہ ہے کہ اس منزل میں طالب صادق مشاہدہ جمال ذوالجلال میں اِس قدر محو ہوتا ہے۔کہ اوامر و نواہی کا احساس تک نہیں رہتا۔

مذہب عاشق ز مذہب ہا جداست
عاشقاں را مذہب و ملّت خُداست

چراغ دہلویؒ مفتاح العاشقین میں لکھتے ہیں کہ:۔

"جب عارف عالمِ متحیّر" میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت مدہوش اور قدرتِ حق کی آفرینش میں متحیّر رہتا ہے۔ اگر کھڑا ہے۔ تو بھی دوست کی یاد میں، اگر بیٹھا ہے۔تو بھی اُسی کی یاد میں، اگر لیٹا ہُوا ہے

Marfat.com

تو بھی دوست کی قدرت و عظمت کا تماشا کر رہا ہے۔ اگر بیدار ہے تو بھی دوست کے حجاب و عظمت کے گرد ہے۔"

اگر سالک کو اپنے مطلب کے حصول کا گمان استماع مزامیر، عشق مجازی، شغل برزخ اور ترک اذکار و عبادت میں ہو تو اس کی طبیعت کا میلان اس طرف ہو جاتا ہے ـــ لعل شہباز اور بو علی قلندر اسی قبیل کے درویش تھے اور اگر بوجہ دینداری وہ اپنے تئیں زبردستی ان امور ممنوعہ سے روکے رکھے۔ تو یہ سالک کا کمال ہے۔ اسی مرحلہ میں مرشد کے ساتھ قلب کا تعلّق شدّت پکڑ جاتا ہے۔ کیونکہ عشق کی پرپیچ وادیوں میں صرف یہی ایک ذات خضرِ راہ کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ کسی عاشق نے کہا ہے کہ:۔

"اگر اللہ تعالیٰ میرے مُرشد کے سوا کسی دوسرے لباس اور شکل میں تجلّی فرمائے تو میں کبھی اس کی طرف متوجّہ نہیں ہوں گا۔"

اور یہ بھی اسی عالم کی کیفیات کا خاصا ہے کہ سالک کو علم اور طاعات ظاہری کی قطعی پرواہ نہیں رہتی۔ جیسے حَرِیقُ العِشق حضرت فرید ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

جڈاں عشق فریدؔ استاد تھیا ، سب علم عمل برباد تھیا
پر حضرت دِل آباد تھیا ، سو وجد کنوں لکھ حال کنوں

یعنی جب سے ہم نے عشق کی شاگردی اختیار کی ہے۔ علم و عمل رخصت ہو چکا ہے۔ ہاں مگر حضرتِ دل وَجد اور حال کی کیفیات سے خُوب آباد ہے۔

## ثمراتِ عشق

جب لوہے کے ٹکڑے کو آہنگر بھٹی میں ڈالتا ہے۔ تو آگ لپک کر اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے۔ اور اُس کے اجزائے لطیفہ لوہے کے نفس و جوہر میں اثر کر کے اُسے ہم رنگ، ہم تشکل و

Marfat.com

ہم صفات بنا لیتے ہیں۔ اس وقت لوہا آگ اور آگ لوہا بن جاتی ہے۔ کوئی اس ٹکڑے اور انگاروں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جلانا، بھونا جو آگ کی خاصیّت ہے لوہے کے اس ٹکڑے کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اس وقت لوہے کی زبان ہوتی۔ تو وہ ضرور پکار اُٹھتا۔ کہ میں وہی آگ ہوں۔ جس سے لوہاروں، زرگروں اور دیگر کاریگروں کے کاروبار انجام پاتے ہیں۔ یہی کیفیّت سالک کی اس وقت ہوتی ہے۔ جب وہ دریائے وحدت میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ بہ سبب حدّت اور شدّت کیفیت عشقیہ اور کمال جذب روح الٰہی غبار شہادت سالک پر منکشف ہو جاتا ہے۔ اور نور و ظلمت کے حجابات پھٹ جاتے ہیں اس وقت حسب وعدہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْ فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا یعنی جو کوئی میری راہوں کو تلاش کرتا ہے۔ میں اس کو اپنی راہیں دکھاتا ہوں۔ مشاہدہ جمال بے مثال میسّر آتا ہے اور بمصداق حدیث اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَہٗ، اِذَا ذَکَرَنِیْ میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں اور میں اُسی کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اس قلق و اضطراب کے عوض جو سالک نے فراق میں اُٹھایا تھا۔ خلعتِ مکالمہ مرحمت ہوتی ہے۔ وحشت اُنس سے بدل جاتی ہے اور فنا و بقا کے مقامات بے حجاب نظروں میں پھر جاتے ہیں۔ اس وقت یہ مُشتِ خاک بحرِ وحدت میں غوطہ زن ہو کر لوہے کے ٹکڑوں کی طرح اپنی اصلیت کو بھول کر اَنَا الْحَقُّ (میں خدا ہوں) اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہُ (اس جبہ میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے) پکار اٹھتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام احمد جام قدس سرّہٗ نے بھی اسی عالم میں کہا تھا ؎

ما تاج سر افراز ہمہ خلق خدائیم
ما بادشاہِ مملکت ہر دو سرائیم
ہستیم و نہ ہستیم نہ در قرب و نہ در بعد
مائیم نہ مائیم نہ مائیم نہ مائیم
باشیم نہ باشیم کہ باشد کہ نہ باشیم
ما خانہ و ما خانگی و خانہ خدائیم
ما غرق محیطیم دگر آب بجوئیم
اے بر لب ساحل تو چہ دانی کہ کجائیم
احمد چو بروں رفت ز جائے کہ مکان است
آیا تو کجائی کہ ندانیم کجائیم

شیخ عبداللہ بیابانی کی ایک رباعی اس مضمون کو اس طرح ادا کرتی ہے ؎

ما جملہ خدائے پاک پاکیم ، نے ز آتش و باد و آب و خاکیم
از ہستی و نیستی ہمیشہ ، عریاں شدہ ایم و جامہ چاکیم

قرآن مجید میں آیا ہے کہ خضر علیہ السّلام نے کہا۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ یعنی کشتی کا توڑنا وغیرہ میں نے خود نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث قدسی میں آیا ہے :۔

" میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں ہی اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں ہی اس کے پیر ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ چلتا ہے۔ پس وہ میرے ذریعے سے سنتا، میرے

Marfat.com

ہی ذریعے سے دیکھتا، میرے ہی ذریعے سے پکڑتا اور میرے ہی ذریعے سے چلتا ہے۔"[1]

## مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری کا بیان

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری مرحوم لکھتے ہیں کہ :-

"یہ بہت باریک اور نازک مسئلہ ہے۔ اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے لیکن جب کسی سالک پر یہ باتیں ظاہر ہوں۔ تو اس سے انکار بھی نہ کرے کیونکہ جب وادیٔ مقدس میں آگ نے کہا تھا۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْن (میں جہانوں کا رب ہوں) اگر نفسِ کاملہ اس اشرفِ موجودات کا کہ نمونہ ذات الٰہی ہے۔ کلمہ اَنَا الحق کہے تو جائے تعجّب نہیں ہے۔"[2]

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"اس مقام پر پہنچ کر ایسے بزرگوں سے خرق عادات، قبول دعوات اور دفع بلّیات کثرت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "اگر بندہ (ایسے حال میں) مجھ سے کچھ مانگتا ہے۔ تو میں اس کو فوراً دے دیتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے۔ تو میں پناہ دیتا ہوں۔" اور ایسے بزرگوں کے دشمنوں پر غضب الٰہی اور وبال

---

[1] مرصاد العباد از حضرت خواجہ نجم الدّین کبریٰ علیہ الرحمتہ۔

[2] سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری مرحوم۔

Marfat.com

نازل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے ہے کہ "جو کوئی میرے
دوست سے مخالفت کرتا ہے۔ اُسے میری طرف سے جنگ کا چیلنج ہے"۔

اس حدیث شریف کے مخاطب اگرچہ ذوی العقول ہیں۔ لیکن اگر کبھی غیر ذوی العقول نے اللہ والوں کے حق میں گستاخی کی ہے۔ تو قادرِ مطلق نے اُسے بھی معاف نہیں کیا مولانا خدا بخش صاحب خیرپوری علیہ الرحمتہ کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ کہ ملتان کے ایک کوچے سے گذر رہے تھے۔ ایک کُتیا آپ کو بھونکی۔ آپ نے مُڑ کر اُسے ایک نظر سے دیکھا۔ اور آگے بڑھ گئے۔ جب واپس آئے۔ تو دیکھا۔ کہ کُتیا مری پڑی ہے۔ آپ ایک لمحہ کے لیئے رُک گئے۔ اور فرمایا:-

"اے کتیا! اس فقیر نے تجھے کچھ نہیں کہا۔ خدائے غیّور سے
اُس کے بندے کے حق تیری گستاخی گوارا نہیں ہو سکی۔"

## منکرین کا استدلال

مولانا محمد عظیم صاحب حنفی نقشبندی لکھتے ہیں کہ بعض ظاہر ہیں۔ کم فہم لوگ جب صوفیائے کرام کے ایسے کلام کو جو اُن کے فہم سے بالاتر ہے۔ کہیں سُن پاتے ہیں۔ تو جھٹ منکر ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی نافہمی اور پست ہمتی سے اس کلام کو لغو، مہمل، بے معنی بلکہ کلمہ کفر کہہ کر زبانِ طعنہ دراز کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے۔ کہ یہ ہمارے مقام سے برتر مقام کا حال ہے۔ حالانکہ صوفیائے کرام ایسا جو نازک کلام فرماتے ہیں وہ یا محض جذبۂ عشقِ الٰہی میں رازو نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ یا رموز میں اسرار کو ظاہر کرنے کی غرض مقصود ہوتی ہے۔ تاکہ وہ ستر اہل پر ظاہر ہو جائے اور نااہل کو پتہ تک نہ لگے یہ اشارے اور کنائے عاشقانہ مذاق میں ایسے مزیدار اور کارآمد ہوتے ہیں۔ جن کو صاحبِ دل

ہی خُوب جانتے ہیں اور اس کی کچھ قدر بھی انہی لوگوں کو ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"صوفیاء کے ایسے کلام لطیف کو راست اور حق سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ اولیاء اللہ کا کلام لغو، بے معنی یا خلافِ شرع نہیں ہوتا۔ لیکن یہ کلام ایسی حالت میں نکلتا ہے۔ جبکہ متکلم پر مجذوبیت غالب ہوتی ہے۔"

یہ ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ مشائخ کرام نے فرمایا ہے۔ کہ جب تک سالک وقتِ تجلّی ادراکِ صورت کرتا ہے۔ وہ تجلّی اگرچہ حق ہے۔ صوری ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کو اس سے منزّہ سمجھنا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام نے درخت سے سُنا۔ کہ "اِنّی اَنَا اللّٰہ"۔ اگر کوئی کہے کہ درخت خدا تھا۔ تو کافر ہوگا۔ اگر کوئی کہے۔ کہ "یہ کلام خدا کا نہ تھا"، تو بھی کافر ہوگا۔ پس تجلّی صوری کے واسطے یہی اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ اور خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ سب تجلّیات مجہول الکیفیّت ہیں اور یہاں تک کہ اس علاقۂ معیّت سے اربابِ تحقیق میں سے کیا نبی کیا ولی کیا حکیم کسی نے کما حقہٗ آگاہی نہیں پائی۔ اور اگر کچھ لوگ بقدر استعداد وقابلیّت اس رمز سے واقف ہوئے۔ اور انہوں نے یہ تمثیلیں بیان کیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مثالیں فی الواقع ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ کچھ مناسبت رکھتی ہیں۔

مولانا سعد الدین کاشغری علیہ الرحمتہ نے ایک روز مولانا رومؒ کا یہ شعر پڑھا:-

اے دیدہ عجائبا بنگر عجب ایں است ایں
معشوق بہر عاشق بے وے نہ وبا وے نے

Marfat.com

اور فرمایا۔ کہ قربت اور معیّت الٰہی کو تو کیا سمجھے گا۔ اگر ہزار سال اس شعر کے معنی میں فکر کرے تو معلوم نہ ہوں۔ ہاں اگر کوئی مجاہدہ کرے۔ تو شاید اس کو ادراک ویقین عنایت ہو۔ اور وہ سمجھ جائے۔ کہ میری ہی غفلت تھی۔ ورنہ میں اس کے بغیر نہ تھا۔

صوفیائے کرام نے ان اقوال کی دوسری توجیہات اس طرح کی ہیں۔ کہ جب سالک عبدیّت میں اپنی اصل کی طرف توجّہ تمام کرکے اپنے باطن کی طرف لوٹ جاتا ہے اور تقیدّات سے نظر اٹھا لیتا ہے۔ اور باطن کی طرف متوجّہ ہوکر شعور سے کلیّۃً فانی ہوجاتا ہے۔ تو اس کی ذات وصفات جو مقید میں منضبط ہوتی ہیں۔ ذات اور صفات حق سے ایسی متحد ہوجاتی ہیں۔ جیسے ذات اور صفاتِ حق کی متحد ہوتی ہیں۔ اس وقت وہ بندہ "کَاَنَّہٗ ھُوَ" ہوتا ہے اور الٰہ عبد نما ہوجاتا ہے جو اس بندہ کا کمال ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخش قادری علیہ الرحمتہ نے اس مضمون کو اس طریقے سے نظم کیا ہے ؎

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سادھے ، من سُوں اُس دم سب کچھ چھاڈے
ایسی ضرب اللّٰہ کی لادے ، جو خطرہ ہے سب جھڑ جاوے
اللّٰہ اللّٰہ اتنا کہے ، آپ نہ رہے تے اللّٰہ رہے[1]

اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے۔ کہ بندہ کبھی فی الحقیقت "اِلٰہ" نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب اس بندہ کی تقید صفات نے بالکلیّہ انضباط پایا۔ تو وہ بالکلیہ نہیں رہا۔ جب وہ بالکلیّہ نہیں رہا۔ تو پھر منضبط ہونے کو اور حق کے ساتھ متحد ہونے کو کون رہا۔

---

[1] گنج الاسرار از حضرت نوشہ گنج بخش قادری علیہ الرحمتہ صفحہ ۲۴

Marfat.com

پس بندے کا کمال یہ ہے۔ کہ اس میں حق جلوہ گر ہو۔ اور وہ بندہ انضباط اور اتحاد حق کے ساتھ پائے گا۔ "کَاَنَّہٗ ھُوَ" ہو جائے۔ یعنی اِلٰہٗ عید نما ہو۔ پس یہ ہے تحقیق محققین کی۔ اور یہ ہے عقیدہ صوفیائے کرام کا اور یہ ہے ذوق اور وجدان عارفوں کا۔ صوفیاء کی کتابوں کے ورق الٹ ڈالیئے۔ بجز اس کے اور کوئی مضمون نہیں ہے کہ ؎

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ
زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

اب اگر کوئی صاحبِ انصاف غور کرے تو اس پر واضح ہو جائے گا۔ کہ اگر کوئی عارف اپنے شعور سے بالکل گم ہو جائے اور اپنے تیئں وہی جانے اور وہی دیکھے اور ہو ہُو کہے۔ تو معذور ہے۔ کیونکہ اپنی حقیقتِ حال سے آگاہ نہیں ہے۔

## زاہد اور صوفی کا مابہ الامتیاز

زاہد اور صوفی دونوں حق پر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صوفی پر جذبۂ عشق غالب ہے اور عشق اُسے سوئے یار کشاں کشاں لیئے جارہا ہے۔ زاہد خوف الٰہی سے ہر وقت ترساں ولرزاں رہتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ خوف میں وہ طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جو عشق میں ہے زاہد جتنا راستہ جتنے عرصے میں خوف سے طے کرتا ہے۔ عاشق اس سے ہزار درجے زیادہ طے کر جاتا ہے۔ گاہے گاہے رستے میں زاہد سے کوئی ایسی لغزش بھی ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کی تمام پونجی غتر بود ہو جاتی ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ زاہد سفلی جذبات کو کلیتہً فنا نہیں کر چکا ہوتا۔ بلکہ انہیں دبائے ہوئے ہوتا ہے۔ لیکن عشق میں یہ خاصیت ہے کہ وہ اپنے سوا تمام آرزوؤں اور تمناؤں کو جلا دیتا ہے۔ غلبۂ عشق میں خوف کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ زاہد کی عمر جہنم سے پناہ مانگتے گذرتی ہے۔

Marfat.com

لیکن نارِ عشق سے نارِ سعیر پناہ مانگتی ہے۔ کیونکہ عشق کی آگ جہنّم کی آگ سے بدرجہا زیادہ حرارت رکھتی ہے۔ محبّت وصفِ حق ہے۔ اور خوف کو صفات اللہ میں کوئی دخل نہیں ہے ؎

سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ ، سیرِ زاہد ہر مہے یک روزہ راہ
ترس موئے نیست اندر پیشِ حق ، جملہ قربانند اندر کیشِ حق

صوفی قلبی واردات کی دو اقسام سے دوچار ہوتا ہے۔ ایک احوال ہے اور دوسری مقامات۔ احوال وہ واردات ہیں۔ جن میں محبوبِ حقیقی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اور مقامات وہ ہیں۔ جن میں عاشق معشوقِ حقیقی سے ہمکنار ہوکر "من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی" کا مصداق بنتا ہے۔ مولانا رومؒ اس فرق کو دُلہن کی مثال سے واضح کرتے ہیں کہ عروس کا جلوہ تو نوشہ کے علاوہ دوسروں کے لیئے بھی جنّت نگاہ بن سکتا ہے مگر خلوت نوشہ کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ اہلِ حال صوفی بہت ملتے ہیں۔ لیکن اہلِ مقام خال خال ہیں ؎

جلوہ کردہ عام و خاصاں را عروس
خلوت اندر شاہ باشد با عروس
ہست بسیار اصل حال از صُوفیاں
نادر است اہلِ مقام اَندر جہاں

اَربابِ ظواہر کو کیا معلوم کہ عشق ہی سرچشمۂ صداقت ہے۔ اگر عشق موجود ہے تو دین کی حقیقت موجود ہے۔ اگر عشق نہیں ہے۔ تو دین محض تقلید اور روایت ہے۔ جس سے انسان کے باطن کو کوئی فیض نہیں پہنچتا۔ شیخ شرف الدّین سعدی

Marfat.com

شیرازی قدس سرہٗ ایسے حضرت کا ہی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

این مدعیاں در طلبش بے خبر انند
آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیاید
اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جان شد و آواز نیاید

ایک شریعت وہ ہے۔ جو خاص و عام سب کے لیئے ہے۔ اور دوسری شریعت وہ ہے جو عشق اپنے لیئے وضع کرتا ہے ؎

مذہب عشق از ہمہ دین ہا جدا است

عشق کے ہر قول و فعل میں گلِ ازلی کی خوشبو آتی ہے۔ عشق عارف و عاشق سے جو کچھ کراتا ہے۔ وہ جائز ہوتا ہے۔ خواہ ظاہر پرست کو وہ غلط کیوں نہ معلوم ہو۔ اس کی شریعت سے ہٹی ہوئی باتیں اور عمل دراصل دریائے حقیقت کی جھاگ ہوتی ہے۔ جھاگ سے حقیقت نظر آتی ہے اور جھاگ کی اصل تو دریا کی موج ہوتی ہے۔ جو کچھ عاشق کے لیئے روا ہوتا ہے۔ وہ غیر عاشق کے لیئے جائز نہیں ہوتا۔ عارف خدا کا عاشق بھی ہوتا ہے۔ اور معشوق بھی۔ معشوق کا حرف تلخ بھی شیریں ہوتا ہے بقول عارف شیرازی ؎

حکایت از لب شیریں دہانِ سیم اندام
تفاوتے نکند گر دعاست یا دشنام

ایک اور صاحب کا ارشاد ہے ؎

من نہ خواہم آفرینِ ہیچ کس ، مدح من دشنام لیلیٰ باد بس

Marfat.com

بلبل کی بولی بولنے والے کو کیا معلوم کہ بلبل گل سے کیا بات کرتی اور کیا احساس رکھتی ہے ؎

گر بیاموزی صفیر بلبلے ، تو چہ دانی کوچہ گوید باگلے

حقائق ازلیہ کے اظہار کے لیئے انسان کے پاس زبان نہیں ہے۔ یہاں نہ محسوسات کام آتے ہیں اور نہ معقولات۔ اِس لیئے مجبوراً تمثیلات اور تشبیہات سے کام لینا پڑتا ہے۔ بقول غالب ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

مگر مصیبت یہ ہے کہ ارباب ظواہر تشبیہہ، تمثیل یا ظاہری الفاظ کو ہی چمٹ جاتے ہیں۔ اُن کا ذہن اس طرف رجوع ہی نہیں کرتا۔ اسی لیئے امام الاولیاء شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہٗ کو کہنا پڑا۔

نحن قوم تحرم المطالعۃ فی کتبنا الا العارف باصطلاحنا[1]

یعنی "جو لوگ ہماری اصطلاحات کا علم نہیں رکھتے۔ اُن پر ہماری کتابوں کا مطالعہ حرام ہے۔" بقول مولانا عبدالماجد دریابادی :۔

" خدا معلوم حضرات صوفیہ کن کن احوال و مقامات سے گذرتے رہتے ہیں۔ ان کے سیر اور سلوک کی بہت سی منزلیں عوام اور اہلِ ظواہر کے لیئے ناقابل فہم ہیں بالخصوص ان کی خاص خاص اصطلاحات اور رمز و کنایوں پر تو

---

[1] ۔ فتاویٰ حدیثیہ مطبع مصری ص ۴۰

Marfat.com

کوئی حکم ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ ان کے کلمات کے جو معنی عوام لیتے ہیں۔ بسا اوقات متصوّفین کی مراد اُن سے وہ نہیں ہوتی۔[1]"

اِس لیئے عقلمند لوگ صوفیہ پر اعتراض کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور جہاں تک اُن سے ممکن ہو سکتا ہے۔ صوفیہ کے احوال و مقامات سے متعلق ایسے محاصل تلاش کرتے ہیں۔ جن سے ان کا دامن عصمت محارمِ شرعیہ سے محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ پیرِ رومیؒ فرماتے ہیں ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

## صُوفی عالی مقام

پیر رومیؒ نے صوفی کی دو اقسام بتائی ہیں۔ ایک صوفی وُہ ہے۔ کہ جب اس پر مجذوبیّت کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو وہ رازہائے درون پردہ فاش کر دیتا ہے۔ لیکن ایک اور صوفی ایسا ہے جس پر مجذوبیّت کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اور وہ اسرارِ یار فاش کرنے سے احتراز کرتا ہے جیسا کہ حافظ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ؎

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پُرس
کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

یعنی اگر تُو نے رازؔ کی کوئی بات پُوچھنی ہو تو۔ "رندانِ مست" سے پُوچھ۔ صوفیائے عالی مقام اسرارِ یار کب فاش کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ کہ

---

[1] بزمِ صوفیہ

Marfat.com

اگر تائیدِ ایزدی شاملِ حال نہ ہو تو انسان "اسرارِ الٰہی" پر اخفا کا پردہ کیسے ڈال سکتا ہے۔ دراصل جو قوت حضرت انسان کو اسرارِ حق سے "بہرہ ور" کرتی ہے۔ وہی اس کی زبان پر مہر کرتی اور دہن کو سی دیتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ؎

ہر کہ را اسرارِ حق آموختند[1] ، مہر کردند و دہانش دوختند

## کر توبہ ترٹ فریدؔ سدا

شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمتہ ایسے ہی کاملین کے لیئے فرماتے ہیں ؎

بات پر سُولی چڑھیں، ہے خاموشی اُن کا بیان
زیرِ خنجر بھی نہ کھُلتا ہے، کبھی اُن کا دہان

یعنی ان کاملین کو معلوم ہے کہ اگر زبان سے اسرار کی کوئی بات نکل گئی تو پھر منصورؔ کی طرح سُولی پر چڑھنا پڑے گا۔ اس لیئے ان کی زبان سے "اسرار الٰہی" کا اظہار نہیں ہوتا۔ خواہ اُن کے سر پر خنجروں کا سایہ کیوں نہ ہو رہا ہو۔ اگر سکر کے عالم میں کسی وقت مجذوبیّت غالب آجائے اور اسرار کی کوئی بات مُنہ سے نکل جائے تو جونہی مجذوبیّت کا غالب کم ہو اور صاحبِ کلام عالمِ سکر سے عالم صحو میں آجائے، تو وہ فوراً اس کلام سے نادم اور تائب ہوتا ہے۔ حریقُ المحبّت خواجہ غلام فریدؒ پر جب جذب و سکر کی کیفیّت طاری ہوئی تو بے اختیار ایک کافی زبان پر آگئی جس کا مطلع تھا ؎

اے حُسنِ حقیقی نُورِ اَزل ، تینوں واجب تے امکان کہوں

---

[1]، [2] نغماتِ لطیفؒ ص ۱۱۴

Marfat.com

یہ کافی خاصی طویل ہے "ہمہ اوست" کے نظریہ سے اثر پذیر ہوکر آدم ۔ شیث ۔ ادریس سے لے کر "کرشن ، کنہیا رام کہوں" تک چلے آتے ہیں ۔ مگر مقطع پر دفعتہً سنبھل جاتے ہیں ۔ اور فرماتے ہیں ؎

کر توبہ تُرت فریدؒ سدا
ہر شے نوں پُر نقصان کہوں

اسی طرح حضرت سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ جب عالم سکر سے عالم صحو میں آئے ۔ تو فرمایا ۔

اِنْ قُلْتُ یَوْمَ "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ"، فَاَنَا الْیَوْمَ مَجُوْسِیٌّ وَاَنَا اَقْطَعُ زُنَّارِیْ وَاَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

صاف ظاہر ہے کہ جب بایزید جیسا صاحب کمال درویش اپنی حقیقتِ حال سے خبردار ہوکر کہتا ہے ۔ کہ اب میں مسلمان ہوتا ہوں ۔ تو کسی دوسرے کی کیا مجال ہے ۔ کہ نہ کہے ۔

پس ایسے کلمات کے بارے میں جن کے ادراک سے ہماری عقل و فہم قاصر ہو ۔ ہمارے لیئے یہی مناسب ہے ۔ کہ ہم اپنے فہم کا قصور سمجھیں اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔ تاکہ وہ ادراک حاصل ہو ۔ جس سے ہم ان اسرار و رموز سے آگاہی پا سکیں ۔ ہمیں اولیائے کرام پر زبانِ طعن دراز کرنے سے شرمانا چاہیئے ۔ اور یہ سوچنا چاہیئے ۔ کہ کہیں ہم خود حدِ شرعی سے تو تجاوز نہیں کر رہے ۔

Marfat.com

# حضرت مجددؒ کا قولِ فیصل

پیشوائے دین وسنّت، مقتدائے مذہب وملّت امام ربّانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ نے اس مسئلہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا ہے کہ:۔

"اگرچہ حضرات صوفیاء سے دین اسلام کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اور کروڑہا نفوس اُن کی برکت سے گمراہی سے نکل کر کمالات کو پہنچے۔ اور کتاب وسنّت کے بہت سے اسرار نما ان کے کشف سے ظاہر ہوئے۔ لیکن اس طائفہ کے بعض ارباب سکر سے دینِ متین کو ضرر بھی پہنچا۔ کہ مستی کی حالت میں اُن سے جو کلمات صادر ہوئے۔ ان کو ناقصوں نے اپنا تکیہ کلام بنالیا اور سند کے طور پر پیش کرنے لگے۔ ان کلمات کے ظاہر ہونے میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوگی۔ اور صوفیاء سے یہ کلمات بحکم "تخلقوا باخلاق اللہ" موافق سنّتِ الٰہی صادر ہوئے۔ کیونکہ قرآن مجید میں بھی متشابہات مثل ید و استویٰ علی العرش وغیرہ واقع ہیں۔ کہ جس سے بعض فرقوں نے اللہ جلالہٗ کا جسم ثابت کیا۔ اور گمراہ ہوئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی سے واقف تھا۔ بلکہ ان کلمات کے سرزد ہونے میں متابعت سنّتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم بھی پائی جاتی ہے کیونکہ حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ضحک اللہ وَاِنَّ اللہ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ، وَرَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ سِکَکِ الْمَدِیْنَۃَ عَلٰی صُوْرَتِ اَمْرِدِ شَابٍّ وَوَضَعَ اللہُ یَدَہٗ عَلٰی کَتِفِیْ فَوَجَدْتُ بُرْدَہَا۔ حالانکہ انبیاء خصوص جناب سیّدالمرسلینؐ کمال صحو میں تھے۔ بنابریں اگر صوفیہ سے اس قسم کے کلمات صادر ہوئے تو کوئی جائے طعن نہیں ہے۔"

Marfat.com

حضرت آگے چل کر فرماتے ہیں کہ :-

"میں نے اپنے آپ کو ہمہ تن سپردِ شریعت کر دیا ہے۔ میری زبانِ قلم سے بھی بعض کلمات سکر آمیز سرزد ہوئے ہیں۔ دیکھیئے اربابِ ظواہر اس سے کیا مطلب نکالتے ہیں۔"

**سِرُّ الملوک**

اِس طویل بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ایسے کلمات جو باکمال بزرگوں سے منسوب ہیں۔ سمجھ میں نہ آ سکیں۔ تو ان پر اپنی رائے کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ خاموش رہیں اور جو محرم راز ہیں۔ انہیں ایسے کلمات عوام کے سامنے بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ ورنہ بے سمجھ لوگ ان کی تکذیب کر کے نہ صرف خود گناہگار ہوں گے۔ بلکہ انہیں بھی ملوّث کریں گے۔ کامل لوگوں نے بھی جب ایسے کلمات منہ سے نکالے۔ انہیں معاف نہیں کیا گیا۔ حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہ حضرت منصورؒ کو جس دار سے کھینچا گیا تھا۔ میں نے ایک رات اس کے نیچے گذاری اور نوافل پڑھتا رہا۔ جب صبح ہوئی۔ تو غیب سے آواز آئی کہ ہم نے منصور کو اپنے اسرار میں سے ایک "سِرّ" سے آگاہ کیا تھا۔ اُس نے ہمارے راز کو فاش کر دیا۔ جس پر اُسے یہ سزا دی گئی۔ اور یہی سزا شاہی اسرار فاش کرنے والوں کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

خود حضرت شبلیؒ نے اپنا واقعہ بھی اس قسم کا بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں بھی ایک رات ان کی قبر شریف پر ساری رات مصروفِ نوافل رہا۔ جب صبح ہونے کو آئی۔ تو میں نے مناجات میں عرض کی :-

"اے بار الٰہا ! تیرا یہ بندہ مومن، عارف، سچا محب اور موحد تھا۔

تُو نے یہ بلا اس پر کیوں نازل فرمائی۔؟"

یہ کہہ رہا تھا کہ خواب نے مجھ پر غلبہ کیا اور میں سو گیا۔ خواب میں اشارہ ہوا کہ:۔

"ہم نے یہ اس لیئے کیا ہے۔ کہ اس نے ہمارے راز کو غیروں پر ظاہر کر دیا تھا۔"

## بُلّھے شاہؒ کا انتباہ

حضرت بُلّھے شاہ صاحبؒ اپنی تاثرات کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

بُلّھا دوئی دِل سے دھو ، سُکھی ہندر بھر کے سو
مونہوں نہ انا الحق کہو ، چڑھ سُولی ڈھولا گاویں گا
پیار یا سنبھل کے نیو لا
مُڑ کے پچھوں تاویں گا
جے ظاہر کروں اسرار تائیں ، سب بھُل جاون تکرار تائیں
پھر مارن بُلّھے یار تائیں ، ایتھے مخفی گل سُوہنیدی اے

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسے کلمات عارفوں کے لیئے جو اُن مقامات کی سیر کر چکے ہیں، غذائے روح ہیں۔ مگر عوام کے لیئے زہرِ قاتل ہیں۔ وہ رہے سہے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اس کی مثال یوں ہے۔ کہ اگر کسی تندرست آدمی کو مُرغن غذا کھِلائی جائے۔ تو اس سے بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہی غذا کسی بیمار کو کھِلائی جائے۔ تو اس سے ہضم نہیں ہوتی اور وُہ اسہال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

# مشائخ سہروردکی تدوین

خاکسار کا آبائی مسکن "نور محل" ملتان سے ۶۰ میل دور جنوب میں واقع ہے نیازمند اپنے گاؤں کے مڈل اسکول میں بطور ہیڈ ماسٹر تعینات تھا۔ فرصت کے لمحات میں پاک و ہند کے ادبی رسائل و جرائد کے لیئے مضامین لکھا کرتا تھا۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں دفعتہً عالی مرتبت نواب مخدوم مرید حسین صاحب قریشی علیہ الرحمتہ کا ایک کرم نامہ شرفِ صدور لایا۔ جس میں انہوں نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ میں حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کی اولاد امجاد کی مکمل تاریخ مدوّن کرانا چاہتا ہوں۔ میں ارادہ کر رہا تھا۔ کہ مولانا سیّد سلیمان ندوی کی طرف رجوع کروں۔ مگر وہ ضعیف العمر اور عدیم الفرصت ہیں۔ اس لیئے متامّل ہوں۔ اگر آپ یہ زحمت گوارا کریں۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا اور میں تادمِ زلیست ممنون رہوں گا۔ خاکسار نے سوچا کہ حضرت مخدوم صاحبؒ کے ملنے والوں میں اسدؔ ملتانی۔ فیقرؔ غلام حیدر۔ لعل دینؔ عاصی نظامی اور عتیق فکری جیسے بیسیوں اہلِ قلم شامل ہیں۔ کشفی اور ممتاز جیسے شعراء ان کے بنگلہ کے قریب رہتے ہیں۔ بایں ہمہ اگر ان کی نظر مجھ جیسے ہیچمدان پر پڑی ہے تو یہ اللہ کی عنایت ہے۔ اللہ والوں کے حالات اور ان کی تعلیمات مدوّن کرنے میں نہ صرف مخدوم صاحب قبلہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے میری عاقبت بھی سنور سکتی ہے۔ چنانچہ یہ ناچیز اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے بلاتوقف ملتان پہنچا۔ مخدوم صاحب قبلہ خاکسار کو دیکھتے ہی

Marfat.com

سرو قد کھڑے ہو گئے۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر احقر کو اپنے سینے سے لگایا اور اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے فرمایا۔ فریدی صاحب! یہ صحیح ہے۔ کہ ملتان میں علماء فضلاء اور دانشوروں کی کمی نہیں۔ میرے مریدوں میں بھی ایسے ادیب، مؤرخ اور محقق موجود ہیں جو حضرت غوث العالمین قدس سرہٗ کا تذکرہ مدوّن کر سکتے ہیں۔ مگر مَیں نے آپ کی تازہ تصنیف "سرزمینِ ملتان" کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ کا قلم بڑے ادب سے چلتا ہے۔ اور اللہ والوں کے حالات مدوّن کرنے کے لیئے موزوں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ عظیم خدمت انجام دینے کی صلاحیّت رکھتے ہیں۔ اس لیئے آرزومند ہوں۔ کہ آپ سے جس قدر جلد ممکن ہو۔ یہ عارفانہ تذکرہ مدوّن کر کے طبع کرائیں۔

خاکسار نے حضرت مخدوم صاحب کی عزّت افزائی کا شکریہ ادا کیا اور عرض کی۔

"حضور! یہ بڑا کٹھن کام ہے حضرت غوث العلمینؒ کی اولادِ امجاد۔ اعزّا و اقارب خلفاء اور مریدین تو لاکھوں کی تعداد میں جاواں۔ سماٹرا سے مصر اور شام تک پھیلے پڑے ہیں اور پھر آٹھ صدیوں کی تاریخ مدوّن کرنے کے لیئے جبکہ ماخذات کا فقدان بھی حائل ہو۔ طویل مدّت چاہیئے کم از کم پانچ برسوں کے لیل و نہار۔ ا۔ یہ سُن کر حضرت مخدوم صاحبؒ نے ایک آہِ جگر دوز کھینچی۔ اُن کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں قمیص کی آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے میری طرف بڑی دُکھ بھری نظر سے دیکھا اور فرمایا۔

"فریدی صاحب! مَیں اِس وقت اپنی زندگی کی آخری منزل سے گذر رہا ہوں۔ پچھتر ۷۵ سال کے لیل و نہار دیکھ چکا ہوں معصیتوں کے بوجھ میرے کندھوں پر اتنے عظیم بار ہو چکے ہیں کہ دنیا میں رہنے کے لیئے مزید مہلت کا ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اَب میری آنکھیں پروردگار عالم کے بابِ رحمت پر لگی ہوئی ہیں آپ نے سوانح حیات

Marfat.com

کی تکمیل کا عرصہ پانچ سال بتایا ہے۔ شائد اس وقت تو مَیں آگے بڑھ جاؤں گا۔ ہاں میرے اعزّا و اقارب اسے میری قبر پر سُنا دیں گے۔ اور میری روح دُعا دیتی رہے گی۔" بہرحال خاکسار نے خُون پسینہ ایک کر کے تین سال کے عرصے میں حضرت غوث العلمینؒ کی سیرت مدّون کر ڈالی اور وہ طبع ہو کر حضرت مخدوم صاحبؒ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ جسے آپ نے بیحد پسند فرمایا۔ مشائخِ سُہروَرد کے سلسلے کی دوسری تصنیف "صدر الدّین عارفؒ" حضرت مخدوم صاحبؒ کے لمحاتِ آخر میں طبع ہوئی اور حضور اسے ملاحظہ فرما کر ہی عالم بقا کو رخصت ہوئے۔ "قطبُ الاقطاب شاہ رُکنِ عالمؒ" اور "صدر الدّین عارفؒ" جلد دوم بعد میں طبع ہوئیں۔ یہ کتابیں بیحد مقبول ہوئیں، محکمہ تعلیم نے انہیں کالجوں اور سکولوں کے لیئے بطور لائبریری بُکس منظور کیا۔ ملک بھر کے ادیبوں اور دانشوروں نے شاندار تقاریظ لکھیں مرحوم و مغفور سیّد حسام الدّین راشدی نے اس طرح سے خاکسار کی عزّت افزائی فرمائی۔

"اگر مولانا فریدی مدینۃ الاولیاء ملتان سے متعلق اِس کی روایات و تاریخ کو ماضی کے خلاؤں سے نکال کر اپنی تالیفات کے ذریعے مجسّم صورت میں پیش نہ کرتے۔ تو آج ہم سب تاریخِ ملتان کے اہم اور دلچسپ وقائع سے بالکل ہی بے بہرہ ہوتے۔ ملتان اور اہلِ ملتان کو مولانا فریدی کی صورت میں گویا زبان دی گئی ہے اور ان کی ذات واقعی ایک نعمتِ خداوندی ہے۔ نہ فقط ملتان کے لیئے بلکہ پورے علمی سماج کے لیئے۔ مولانا فریدی جیسے اہلِ قلم روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ ملتان کو ان جیسا عاشقِ صادق پھر ملنا مقدّر کی بات ہے۔"

امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمتہ کی تقریظ کے یہ دو جملے ملاحظہ ہوں:۔

Marfat.com

"میں مولانا فریدی کا احسانمند ہوں کہ انہوں نے مجھے مشائخ سہروردؒ پر اپنے تاثرات قلمبند کرنے کا موقعہ دیا۔ مگر حیران ہوں۔ کہ لکھوں تو کیا لکھوں۔ میں تو صرف ان اہل اللہ کے وسیلے سے نجات کا طالب ہوں۔" (ملخص)

الغرض خاکسار نے ملتان کے مشائخ خاص کر حضرت شیخ الاسلامؒ اور اُن کی اولاد پر درجن بھر کتابیں اور بے شمار مقالات لکھے اور حق الخدمت کے طور پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے قدموں میں تدفین کی اجازت چاہی۔ محکمہ اوقاف کے قدردان افسران نے نہ صرف منظوری دی بلکہ جائے تدفین کا قبضہ بھی دے دیا۔ لیکن انصاف پسند حضرات کو یہ پڑھ کر یقیناً دُکھ ہوگا۔ کہ محکمہ اوقاف کے موجودہ حُکام نے خاکسار کی علمی خدمات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس اجازت نامے کو منسوخ کر دیا ہے۔ مجھے اس امر کا قطعاً دُکھ نہیں۔ اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ ارواح کے لیئے قرب وبعد یکساں ہیں۔ لطائف سیرانی میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ شیخ الاسلامؒ کی خانقاہ عالیہ پر حاضری دینے کے لیئے تشریف لائے۔ کنوئیں پر وضو کر کے خانقاہ معلّی کی طرف رُخ کیا تو بے اختیار ہنس پڑے۔ خُدّام نے ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ تو فرمایا۔ تو فرمایا کہ ایک شخص کی لاش کو دفن کیا گیا ہے کراماً کاتبین کی پرسش کے وقت ابھی شیخ الاسلامؒ کی رُوح اس کے پاس نہیں پہنچی تھی کہ حضرت شیخ الشیوخ کی رُوح بغداد سے آپہنچی اور فرشتوں کو یہ کہہ کر چلتا کیا۔ کہ اس مقبرے کا احاطہ "دارالامن" ہے جو آیا بخشا گیا۔ اس لیئے تمہیں ان سے پرسش کی ضرورت نہیں۔ اور وہ میّت کو "نم کنوم العُرفین" کہہ کر رخصت ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۰ سال سے خاکسار بعد وفات اس احاطے میں دفن ہونے کی آرزو میں محکمہ اوقاف سے اِلتجائیں کرتا چلا آرہا ہے۔ جب تک تن بدن میں سانس ہے برابر استدعا کرتا رہے گا۔

Marfat.com

# مُصنّف تاریخ ملتان پر

## قولنج کا حملہ

۱۹۷۰ء میں سیّد محمد قاسم رضوی کمشنر ملتان نے خاکسار کو طلب کر کے نیازمند کی تصانیف کی تعریف کی اور فرمایا کہ ملتان پیروں فقیروں کا شہر ہے۔ اَب تک اس کی جو تاریخیں لکھی گئی ہیں ان سے محققّین کی تسلّی نہیں ہوتی۔ مشائخ سہروردیہ پر آپ نے جو کتابیں لکھی ہیں۔ مَیں نے انہیں غور سے پڑھا ہے۔ بلاشبہ مشائخ سے عقیدت اور تحقیق کا آپ نے حق ادا کر دیا ہے۔ اَب تاریخ ملتان پر قلم اُٹھائیے۔ چنانچہ خاکسار نے تمام مصروفیات ترک کر کے تاریخ ملتان کو مدوّن کرنا شروع کیا۔ لیکن ابھی اسے مکمل نہیں کر پایا تھا۔ کہ پتّہ اور جگر کے عوارض کا شکار ہو گیا۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو آپریشن کرانے کی نیّت سے نشتر ہسپتال میں داخل ہُوا چونکہ جانبر ہونے کی اُمید کم تھی اِس لیئے چیف ایڈمنسٹریٹر صاحب اوقاف پنجاب کو درخواست کی کہ اگر اپریشن میں میری وفات واقع ہو جائے۔ تو میری علمی خدمات کی بنا پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے قدموں میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ ۶ نومبر کو مخدوم مظہر حسین صاحب ایڈمنسٹریٹر اوقاف ملتان زون تشریف لائے اور بعدِ عیادت چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب کا یہ حکمنامہ مرحمت کیا:۔

GOVERNMENT OF WEST PAK...
AUQAF DEPARTMENT
LAHORE
PS/CAA-70/208...
3. XI. 70

مکرمی

...دوم سلیم -

آپکی چھٹی موصولہ ۳۰ اکتوبر بنام راجہ حامد مختار صاحب

...متعلقہ افسر مخدوم مظہر حسین صاحب. پی سی ایس - ایڈمنسٹریٹر اوقاف ملتان زون

...بھیج دی گئی ہے اور تجویز پر سفارش کر دی گئی ہے - امید ہے آپکا کام تسلی بخش

...ہوگا - شکریہ -

[illegible]

**Private Secretary to**
**Chief Administrator**
**& Secretary to Government of**
**Panjab, Auqaf Department, Lahore.**

...صاحب

۲۶...

...ملتان

ایڈمنسٹریٹر
محکمہ اوقاف
کا حکم

جناب نور احمد خان فریدی ساکنہ 29- رائیٹرز کالونی ملتان کو محکمہ اوقاف نے
درگاہ حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی میں قبر کے لئے جگہ الاٹ کی تھی
مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ الاٹمنٹ منسوخ کر دی گئی ہے۔ جناب نور احمد خان
فریدی صاحب بہت نیک بزرگ ہیں۔ پارسا اور درگاہ کے مجاور ہیں۔ بڑے شیدائی ہیں
اس لئے انکی سابقہ الاٹمنٹ کی جگہ پر انکی قبر بحال کی جاتی ہے۔ ایڈمنسٹریٹر اوقاف
ملتان زون کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ جناب نور احمد خان فریدی صاحب کو انکی
خواہش کے مطابق جگہ دکھا کر اس کا نقشہ بنا کر قبضہ انکے حوالے کریں
اور مجھے رپورٹ بھجوائیں۔

(چوہدری ممتاز احمد کاہلوں)

حکمنامہ وزیر اوقاف واطلاعات وکالونیز وکنسالیڈیشن

**حکمنامہ جناب چوہدری ممتاز احمد کاہلوں**
**وزیر اوقاف**

Office of Administrator of Auqaf, Multan Zone

No: AM/MN/7-Gen-III/9437 dated 24/11/72

1. A copy is forwarded to the:- ~~Regional~~ Manager Auqaf Sec II Multan for information and ~~of action~~ necessary compliance immediately the report should be submitted within a week positively.

Sd/-
A.A.

2. Noor Ahmad Khan Faridi R/O 29-Writers Colony Multan for information.

AM/MN/7-GM-III/9770

5/12/72

[illegible]

**مراسلہ منیجر اوقاف ملتان زون**
**(اطلاع منظوری جائے تدفین)**

از دفتر منیجر اوقاف حلقہ ملتان ۔

بخدمت جناب مولانا نور احمد فریدی صاحب

۵۸ ر انور کالونی ملتان ۔

نمبر ۱/آ/ ۸۱/ ۱۷۰۶ تاریخ 11.12.72

مضمون: منظوری برائے تدفین احاطہ دربار حضرت [illegible] ملتان

نمبر ۱۹۴۳۷/ اوقاف/ ۲۲-۷۲ مورخہ $\frac{11}{72}$

آمدہ از دفتر ناظم اوقاف صاحب ملتان زون۔ ملتان

ترسیل درخواست برائے [illegible] زرگر اندرون احاطہ دربار

حضرت [illegible] ملتان [illegible] بہ نمبر [illegible]

مورخہ $\frac{12}{72}$ [illegible]

[illegible]

[illegible] مشورہ کے لیے [illegible]

Manager Auqaf
SECTOR II MULTAN

حکم نامہ ناظم اوقاف
ملتان زون

از دفتر منیجر اوقاف ملتان زون ملتان

خدمت جناب ناظم صاحب اوقاف ملتان زون ملتان

نمبر ____ تاریخ ~~MA~~

عنوان تعین جائے تدفین نور احمد خان صاحب فریدی

بجواب تشہیر نمبری MS/MN/7-EM-111/7737 مورخہ 24/11/72

تحریر خدمت ہے کہ جناب نور احمد خان صاحب فریدی متعلقہ رائٹرز کالونی کو ان کی اپنی جائے تدفین کا موقعہ دکھایا گیا ہے۔ اُن کی مرضی کے مطابق اُن کی جائے تدفین کا تعین قیصر خان دلسی مرحوم کی قبر سے متصل جانب شرق کیا گیا ہے اور اس جائے تدفین کا قبضہ ان کے حوالے کر کے ان سے تحریر حاصل کر لی گئی ہے۔ لہذا یادداشت ھذا بعد تکمیل برائے اطلاع پیش خدمت ہے

نقشہ جائے تدفین بذریعہ چٹھی نمبر II/S/1184/1584 مورخہ 18/8/72 جناب کی خدمت میں بھیجا جا چکا ہے

Manager Auqaf,
NOOR H. MURAD

مراسلہ منیجر اوقاف ملتان زون
(اطلاع منظوری جائے تدفین)

Marfat.com

محل وقوع مجوزہ جائے تدفین مولانا نور احمد خان فریدی
مصنف تذکرہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ
شمال
حجرات
خانقاہ مبارک
حضرت شیخ الاسلام
بہاء الدین زکریا
علیہ الرحمۃ
قدیم ملتان
مغرب
جنوب
کوچہ
نقشہ محل وقوع جائے تدفین
جگہ مجوزہ برائے تدفین نور احمد خان فریدی
قبور نامعلوم

تنظیم نمبر MA/Sec: II/1782 مورخہ ...12.72

نقل ہذا ایسے کس موقع جائے تدفین زیر رحمت جناب

نور احمد خان صاحب فریدی بغرض اطلاع مرسل ہوئے

[illegible]
27/XII/72

27/12/72

[illegible]

[illegible]

[illegible] 1973 [illegible]

26-3-73

## وزارت مذہبی امور کا مراسلہ چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب کے نام

Government of Pakistan
Ministry of Religious Affairs
and Minorities Affairs

No.2(1)/84-T-III(Vol-II) Islamabad, the 25th Nov,1984

To

The Chief Administrator Auqaf,
Government of the Punjab,
Lahore.

Subject: Reqnest for permission for Burial.

Sir,

I am directed to enclose herewith a copy of a self explanatory petition dated 4th October,1984 alongwith enclosures received from Mr.Noor Ahmed Khan Faridi,Qasr-ul-Adab, writers Colony, Multan on the subject noted above for appropriate action under intimation to the petitioner as well as this Ministry.

Marfat.com

Your obedient servant,

Sd/-

(Mozaffar Hussain)
Deputy Secretary

Encls:as above.

Copy to Mr. Nur Ahmed Khan Faridi,
Qasr-ul-Adab, Writers Colony,
Multan.

(Gh. Altaf Mahmood)
Section Officer.

مرکزی گورنمنٹ مذہبی اُمور کا مراسلہ
چیف ایڈمنسٹریٹر اوقات پنجاب کے نام

Marfat.com

عالی جناب گورنر صاحب پنجاب کی خدمت میں
محکمہ اوقاف کے غیر عادلانہ فیصلہ کے خلاف

# مُصنّفِ مشائخ سہرورد کی اپیل

حضور والا۔ اِس کتابچے میں مصنف نے مشائخ سہرورد کی تدوین وطباعت کی تمام صورتِ حال عرض کردی ہے۔ناظم اوقاف کے مراسلہ مجریہ ۸۵/۳/۲۴ سے ظاہر ہے کہ اس نے تدفین پر مکمل پابندی عائد کردی ہے۔یہ پابندی سابقہ احکامات پر کیسے عائد ہوسکتی ہے۔ وہ آئندہ کے لیئے تدفین کا عمل روک سکتا ہے مگر حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے خاندان کے تذکرہ نگار کو ان کی قلمی خدمات کے صلّے میں تدفین کی جو جگہ الاٹ کی گئی ہے۔ اُسے کیسے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ التماس ہے کہ براہ اَدب نوازی اور علم پروری ناچیز مُصنّف کے کیس پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔اور اس کی علمی خدمات کے صلّے میں قبر کے لیئے جو جگہ الاٹ ہوچکی ہے۔ اُسے بحال کیا جائے

خاکسار
نُور احمد خان فریدی

مورخہ
۱۴ فروری ۱۹۸۷ء

# ہماری مطبوعات

۱۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا علیہ الرحمتہ
۲۔ شیخ الاسلام صدر الدین عارف علیہ الرحمتہ
۳۔ شیخ الاسلام شاہ رُکنِ عالم علیہ الرحمتہ
۴۔ صدر الدین عارفؒ جلد دوم۔
۵۔ تاریخ ملتان جلد اوّل
۶۔ تاریخ ملتان جلد دوم
۷۔ سرزمینِ ملتان
۸۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ۔
۹۔ اسلامی افسانے جلد اوّل
۱۰۔ اسلامی افسانے جلد دوم
۱۱۔ دیوانِ فریدؒ مترجم و مشرح جلد اوّل
۱۲۔ دیوانِ فریدؒ مترجم و مشرح جلد دوم۔
۱۳۔ جاکرِ اعظمؒ
۱۴۔ سندھ کے تالپور حکمران
۱۵۔ تذکرہ مشائخ چشت
۱۶۔ ملتان اور مؤرخین۔
۱۷۔ دیوانِ احمدی
۱۸۔ خانقاہی نظام
۱۹۔ سرزمین آگرہ
۲۰۔ اکبرِ اعظمؒ کے لمحاتِ آخر۔
۲۱۔ تاج محل
۲۲۔ سردار احمد خان ملے زئی۔
۲۳۔ انتقام۔
۲۴۔ سسّی پنوّں
۲۵۔ جویائے حق
۲۶۔ سلطان التارکین حمید الدین حاکمؒ
۲۷۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری
۲۸ مشائخ گجرات

**قصر الادب رائیٹرز کالونی ملتان**

Marfat.com

# مُصنّف

خاکسار نور احمد خان فریدی

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com